تدبّر

زیرِ نگرانی

مولانا امین احسن اصلاحی

یکے از مطبوعات

ادارہ تدبّرِ قرآن وحدیث

لاہور۔ پاکستان

اھم اعلان

مولانا **امین احسن اصلاحی** کی درج ذیل معرکۃ الآراء تصانیف کے مکمل نظرثانی شدہ جدید ایڈیشن الحمدللہ شائع ہو گئے ہیں:

- ○ دعوتِ دین اور اس کا طریقِ کار -/۴۰ روپے
- ○ حقیقتِ نماز -/۴۲ روپے ○ حقیقتِ تقویٰ -/۴۲ روپے
- ○ حقیقتِ شرک و توحید -/۵۶ روپے
- ○ مبادیٔ تدبرِ قرآن -/۳۶ روپے
- ○ قرآن میں پردے کے احکام -/۴ روپے
- ○ اسلامی معاشرہ میں عورت کا مقام -/۴۰ روپے
- ○ تزکیۂ نفس ۔ جلد دوم -/۳۶ روپے
- ○ مبادیٔ تدبرِ حدیث -/۳۶ روپے

علاوہ ازیں ان کی مندرجہ ذیل کتب بھی تیاری کے مختلف مراحل میں ہیں جو ان شاء اللہ جلد دستیاب ہوں گی:

- ○ اسلامی قانون کی تدوین
- ○ اسلامی ریاست
- ○ مجموعہ تفاسیر فراہی
- ○ مقالاتِ اصلاحی

فاران فاؤنڈیشن
۱۲۲۔ فیروزپور روڈ لاہور
۵۴۶۰۰
فون: ۲۷۳۴۷۷

سلسلہ نمبر ۳۳ اکتوبر ۱۹۹۰ء ربیع الثانی ۱۴۱۱ھ

تدبّر

فہرست مضامین

تذکرہ و تبصرہ

خلیج کی تشویش ناک صورت حال — خالد مسعود — ۳

تدبر قرآن

تفسیر سورہ اعراف (۳) — خالد مسعود — ۸

تدبر حدیث

آنحضرتؐ کا وحی کا پہلا تجربہ — امین احسن اصلاحی / سعید احمد — ۱۵

موطا کی کتاب البیوع — امین احسن اصلاحی / سعید احمد — ۲۷

افادات فراہی

اعمال کی جزا و سزا کا تصور — خالد مسعود — ۳۴

مقالات

مولانا فراہی کی علمی خدمت — خالد مسعود — ۳۹

مراسلہ و مذاکرہ

لغو سے احتراز — امین احسن اصلاحی / خالد مسعود — ۴۷

مجلس ترتیب

☆ ---------- خالد مسعود (مدیر)

☆ ---------- عبد اللہ غلام احمد

☆ ---------- ماجد خاور

☆ ---------- محبوب سبحانی

☆ ---------- سعید احمد

ناشر: ---------------------- ادارہ تدبر قرآن وحدیث

رحمان سٹریٹ، مسلم کالونی، سمن آباد، لاہور ۔ ۲۵

مطبع: ---------------------- المطبعۃ العربیۃ ۔ لاہور

قیمت =/۵ روپے

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تذکرہ و تبصرہ
خالد مسعود

خلیج کی تشویش ناک صورت حال

روایتی بھیڑیئے کی کہانی کچھ یوں ہے کہ جب اس کی نظر ندی کے کنارے کھڑے ایک بکری کے بچے پر پڑی تو اس کے منہ میں پانی بھر آیا۔ اس نے میمنے کو للکارا کہ میرے لئے ندی کا پانی گدلا کیوں کر رہے ہو۔ میمنے نے جواب دیا حضور 'پانی تو آپ کی طرف سے میری طرف آرہا ہے' مجھ پر یہ الزام کیسا ؟ بھیڑیے نے کہا 'اچھا تم وہی ہو جس نے چھ ماہ قبل مجھے گالی دی تھی ؟ میمنے نے جواب دیا 'حضور' چھ ماہ قبل تو میں ابھی پیدا ہی نہیں ہوا تھا'۔ اس پر بھیڑیئے نے کہا 'گستاخ' پھر گالی تمہاری ماں نے دی ہوگی'۔ یہ کہہ کر اس نے میمنے پر حملہ کر دیا اور اس کو لقمہ بنالیا۔ عراق کے صدر صدام حسین نے کویت پر قبضہ کرنے کے لئے اسی روایتی بھیڑیئے کی منطق کا سہارا لیا ہے۔ انہوں نے کویت پر الزام لگایا کہ اس نے عراق کو اربوں ڈالر کا نقصان پہنچایا ہے۔ جب اس نے اس کی تفصیل پوچھی تو بتایا گیا کہ کویت نے تیل کے کنوؤں سے جس مقدار میں تیل نکالا وہ اتنی زیادہ تھی کہ عالمی منڈی میں عراق اپنے تیل کی مطلوبہ قیمت وصول نہیں کر سکا۔ عراق جو قیمت وصول کرنا چاہتا تھا منڈی میں قیمت اس سے سات ڈالر فی بیرل کم رہی۔ عراق کی آمدنی قیمت میں ایک ڈالر فی بیرل کی کمی سے ایک ارب ڈالر سالانہ کم ہو جاتی ہے۔ چونکہ کویت نے کئی سالوں سے تیل زیادہ پیدا کرنا شروع کر رکھا ہے اس لئے عراق نقصان اربوں ڈالر کا ہو چکا ہے۔ کویت نے معاملے پر غور کے لئے جدہ میں مذاکرات کا آغاز کیا لیکن عراق کسی تصفیہ پر آمادہ نہ ہوا اور مذاکرات کو ختم کر کے بغیر کسی نوٹس کے اس نے اپنی فوجیں کویت میں داخل کر دیں۔

کویت ایک چھوٹی ریاست ہے جس کی کل آبادی اکیس لاکھ ہے جس میں کویتی باشندے صرف چالیس فی صد ہیں جبکہ ساٹھ فی صد آبادی غیر ملکی کارکنوں پر مشتمل ہے جس میں اکثریت کا تعلق ایران،

فلپائن اور فلسطین سے ہے۔ تیل کی پیداوار کے باعث کویت کا شمار امیر ترین ملکوں میں ہوتا ہے۔ یہاں تعلیم اور علاج کی سہولتیں مفت ہیں۔ باشندوں کو شادی اور بچوں کی پیدائش پر وظائف ملتے ہیں۔ کویت دنیا بھر میں دینی اداروں کی سرپرستی کرتا رہا ہے۔ ایران عراق جنگ کے دوران اس نے عراق کی پشت پناہی کی اور اس کو امداد کے علاوہ دس ارب ڈالر کا بلا سود قرضہ دیا۔ کویت نے اپنی مختصر آبادی کے لحاظ سے بہت کم فوج رکھی جو عراق کے حملے کا مقابلہ کرنے کی صلاحیت نہیں رکھتی تھی۔ لہٰذا معمولی مزاحمت کا مقابلہ کرنے کے بعد عراق نے کویت پر قبضہ کر لیا۔ اس ناگہانی آفت نے سعودی عرب اور متحدہ عرب امارات کے حکمرانوں کو پریشان کر دیا کیونکہ ان کے ہاں بھی کویت کی طرح تیل کی دولت کی افراط ہے اور ان کی فوجی طاقت بھی برائے نام ہے۔ انہوں نے امریکہ کو مدد کے لئے پکارا۔ جس کی فوجیں آناً فاناً وہاں پہنچ گئیں اور امت مسلمہ جو پہلے ہی بے شمار گمبھیر مسائل میں گھری ہوئی تھی ایک نئی خطرناک صورت حال سے دوچار ہو گئی۔

عراق اس وقت فوجی قوت کے اعتبار سے مشرق وسطیٰ کے تمام ممالک میں سرفہرست شمار ہوتا ہے۔ اس کی فوج دس لاکھ ہے جو مصر کی فوج سے دوگنی ہے۔ اس فوج کو ایران کے ساتھ طویل جنگ لڑنے کا تجربہ حاصل ہے۔ اس کی تعمیر و ترقی میں سعودی عرب اور کویت نے بیش بہا امداد دی ہے۔ یہ جدید اور خطرناک اسلحہ سے لیس ہے۔ اس نے کردوں کی بغاوت کو کچلنے اور ایران کے قدم روکنے کے لئے کیمیائی مہلک ہتھیاروں کے استعمال سے بھی گریز نہیں کیا۔ اس لئے عراق کے گرد و پیش کے تمام ممالک اس کا مقابلہ کرنے کی تاب نہیں لا سکتے۔

عراق کے صدر صدام حسین کے رویے بھی بالکل ناقابل فہم ہیں جن کے باعث وہ ایسے حکمران ثابت نہیں ہوئے جن پر اعتماد کیا جا سکے۔ ان کے متعلق یہ بات مشہور ہے کہ انہوں نے عراق کو ایک پولیس اسٹیٹ بنا رکھا ہے۔ تمام مناصب اور کلیدی عہدے ان کے خاندان کے لوگوں کے لئے وقف ہیں۔ ترقی حاصل کرنے کے لئے صدر کے ساتھ عہد وفاداری ضروری ہے۔ صدر کے مخالفوں سے بڑے ظالمانہ طریقوں سے نمٹا جاتا ہے۔ صدر چونکہ کمیونسٹوں کے دھڑے کے آدمی ہیں اس لئے دین اور اہل دین کو انہوں نے سخت نقصان پہنچایا ہے۔ ان کا طرز عمل مصر کے جمال عبدالناصر سے ملتا جلتا ہے جو فرعونوں کی اولاد ہونے پر فخر کرتے تھے۔ صدام حسین نے نبوخد نصر کو اپنا ہیرو بنا رکھا ہے۔ انہوں نے بابل کے کھنڈروں کی تعمیر نو کے لئے کروڑوں ڈالر کے منصوبے منظور کئے ہیں۔ عراق کے شہروں میں صدام حسین کی تصاویر آویزاں ہیں اور بغداد میں ایک ایسی تصویر بھی ہے جس میں صدام حسین نبوخد نصر سے مصافحہ کرتے دکھائے گئے ہیں۔ اسلام کے ساتھ صدر کا رویہ معاندانہ ہے۔ یہ بات منظر عام پر آئی ہے کہ بیروت کے باغی عیسائی صدر مائیکل عون کو عراق درپردہ اسلحہ سپلائی کرتا رہا ہے۔ پریس میں یہ بات بھی آئی ہے کہ عراق نے

ایک افریقی ملک کے ذریعے اسرائیل سے اس بات کی یقین دہانی حاصل کی ہے کہ وہ موجودہ کشمکش میں اس پر کوئی حملہ نہ کرے گا۔ اس پس منظر میں عراق کا چھوٹے ممالک کا رخ کرنے کا فیصلہ سمجھ میں آتا ہے۔

صدام حسین کی اپنوں کو ہڑپ کرنے کی خواہش نے امت مسلمہ کو ایک نئے بحران سے دوچار کر دیا ہے۔ سعودی عرب کی ستر ہزار افواج ناتجربہ کار اور ملک کی وسیع سرحدوں کے لحاظ سے بالکل ناکافی ہیں۔ یہ زیادہ ترقی یافتہ ہتھیاروں کو استعمال کرنے کی صلاحیت نہیں رکھتیں۔ عراق کے پاس بے پناہ ٹینک اور بکتر بند گاڑیاں ہیں جن کے مقابلہ کے لئے سعودی عرب کے پاس کچھ نہیں۔ سعودی حکومت نے اینٹی ٹینک میزائل امریکہ سے خریدنے کا ارادہ کیا تو اسرائیل نے اس سودے کے خلاف شور و غوغا کیا اور امریکی کانگریس نے اس خریداری کی راہ میں رکاوٹ ڈال دی۔ سعودی تیل کے کنویں کویت کی سرحد سے صرف دو تین سو میل دور ہیں۔ ان اسباب کی بنا پر سعودی عرب کا امریکہ کو مدد کے لئے بلانا قابل فہم ہے۔ امریکہ نے فی الفور تقریباً ایک لاکھ فوج سعودی عرب میں تعینات کر دی ہے اور اس خطرہ کے پیش نظر کہ مسلمان قوم کے جذبات اکیلے امریکہ کو عرب سرزمین پر دیکھ کر مشتعل نہ ہوں، دوسرے یورپی ممالک کی افواج بھی وہاں تعینات کرا دی ہیں۔

سعودی عرب نے امریکہ کو کن شرائط پر بلایا ہے، یہ معاملہ ابھی تک صیغہ راز میں ہے۔ البتہ یہ بات واضح ہے کہ امریکی فوج کے اندرون ملک تمام اخراجات سعودی عرب برداشت کرے گا۔ امریکہ نے اپنی افواج کے لئے شاہ فہد کو سپریم کمانڈر کی حیثیت دینے سے انکار کیا ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ شاہ فہد کسی مرحلہ میں ان سے اپنا کوئی ایسا حکم نہیں منوا سکتے جو امریکہ کی پالیسی کے خلاف ہو۔ امریکی افواج امریکی کمانڈر کے تابع ہوں گی اور سعودی حکومت ان کے کام میں کوئی مداخلت نہ کر سکے گی۔ اس کے برعکس سعودی وزارت دفاع کا رابطہ باقی تمام غیر ملکی افواج کے ساتھ ہے اور وہ لیفٹیننٹ جنرل خالد بن سلطان کی کمان میں لڑیں گی۔ امریکی وزیر خارجہ نے یہ تجویز پیش کی ہے کہ مشرق وسطیٰ کے اس علاقہ میں امریکہ کے مستقل قیام کی ضرورت ہے۔ ان باتوں سے امریکی ذہن کی بخوبی غمازی ہو رہی ہے۔

کویت پر عراق کی جارحیت کے بعض اثرات بالکل واضح ہیں جو ہر دردمند مسلمان کے علم میں ہونے چاہئیں۔ اولاً دنیا بھر میں بیسیوں ممالک کے مابین تنازعے پیدا ہوئے ہیں اور باہم فوج کشی تک نوبت پہنچی ہے لیکن مغربی اقوام نے کبھی اس سرعت سے حرکت نہیں کی جس سرعت کے ساتھ اس خلیجی تنازعہ میں کی ہے۔ ظاہر ہے کہ اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ اقوام عربوں کے تیل کے ذخائر پر نظریں رکھے ہوئے ہیں اور ان کو لقمہ تر سمجھتے ہیں۔ ورنہ ان کو ان کے مستقبل کی پروا ہے اور نہ ان کے دین و معاشرت سے ان کو کوئی لگاؤ ہے۔

ثانیاً' اس قضیہ نے دنیا بھر کی توجہ اسرائیلی مظالم اور فلسطینیوں کی مظلومیت کی طرف سے ہٹا دی ہے یہی وجہ ہے کہ اسرائیل نے ہیکل کی تعمیر کے منصوبہ کے ضمن میں مسجد اقصیٰ کو نقصان پہنچانے کی کوشش کی ہے۔ اس وقت اسرائیلی اس قدر بے خطر ہو کر بیان بازی کر رہے ہیں کہ یوں معلوم ہوتا ہے جیسے صدام حسین نے ان کے لئے راہ ہموار کر دی ہو۔ اسرائیلی لیڈر ابیا ایبان کا ایک مضمون شائع ہوا ہے جس میں اس نے عربوں کو یہ مشورہ دیا ہے کہ اب مدد کے لئے وہ اسرائیل کی طرف رجوع کریں۔

ثالثاً' عرب لیگ جو عربوں کے اتحاد کی علامت سمجھی جاتی تھی اب شکست و ریخت کا شکار ہو گئی ہے خلیجی جنگ کے نتیجہ میں عرب ممالک واضح طور پر دو گروہوں میں بٹ گئے ہیں۔ اس وقت صدام حسین سے بیر رکھنے والے ممالک بھی اس کی پشت پناہی کر رہے ہیں۔ تعلقات میں اس قدر تناؤ پیدا ہو گیا ہے کہ سعودی عرب اور اردن نے اپنے اپنے سفارتی نمائندے واپس بلا لئے ہیں۔ سعودی عرب نے اردن کے شاہ حسین کو دورہ کرنے کی اجازت نہیں دی۔ یاسر عرفات کا طیارہ ابوظہبی اور دبئی میں اتارنے کی اجازت نہیں دی گئی۔ اس صورت حال میں عرب لیگ کے سیکرٹری جنرل شاذلی کلیبی نے اپنے عہدہ سے استعفیٰ دے دیا ہے۔ گویا عربوں کا واحد مشترک پلیٹ فارم' جہاں سے وہ اپنی پالیسیاں وضع کرنے میں مدد لیتے تھے' اب معرض خطر میں ہے۔

رابعاً' ان ممالک کو اقتصادی طور پر زبردست دھچکا لگا ہے جن کے باشندے خلیجی ممالک میں کام کرتے تھے۔ یہ کارکن مخدوش حالات میں ان ممالک سے خود نکل آئے یا نکال دیئے گئے۔ جو کارکن باقی رہ گئے ہیں وہ اگر کسی ایسے ملک سے تعلق رکھتے ہیں جو مخالف پالیسی اپنائے ہوئے ہے تو ان پر زندگی تنگ کر دی گئی ہے۔ ہزاروں کی تعداد میں کارکنوں کے انخلا سے خلیج کے ممالک کے نظم و نسق پر جو برا اثر پڑے گا وہ محتاج بیان نہیں۔

خامساً' خلیجی ممالک کی بعض کمزوریاں عیاں ہو گئی ہیں۔ اس چیز نے نقادوں کو یہ کہنے کا موقع دیا ہے کہ ان ممالک کا نظام حکومت ہی کھوکھلا تھا۔ یہ نظام باشندوں کو تحفظ تک فراہم نہیں کر سکا۔ اس وجہ سے اس نظام میں تبدیلی کی ضرورت ہے' خواہ اس تبدیلی کی زد میں شریعت ہی کیوں نہ آ جائے۔ یہ تنقید ایسی برمحل ثابت ہوئی ہے کہ حکومتوں نے اپنے تخت و تاج کو بچانے کے لئے اس کی روشنی میں بعض اقدامات کئے ہیں۔ مثال کے طور پر اب سعودی عرب میں مغربی ممالک کے اخبار و جرائد بغیر سنسر کے آنے لگے ہیں۔ سینکڑوں کی تعداد میں غیر ملکی نامہ نگاروں کو عرب میں آنے کی اجازت دے دی گئی ہے اور وہ قسم قسم کے تحقیر آمیز تبصرے اپنے اخباروں کو روانہ کر رہے ہیں۔ شاہ فہد کی اپیل پر سعودی خواتین کی خدمات ہسپتالوں کے لئے حاصل کر لی گئی ہیں اور اس بات کی توقع کی جا رہی ہے کہ حکومت دوسرے میدانوں میں ان کو مردوں

کے شانہ بشانہ کام کرنے کی اجازت دے دے گی۔ خواتین نے خود بھی ملکی دفاع میں حصہ بٹانے کی پیش کش کی ہے۔

سادساً' امریکنوں نے مسلمانوں اور دین اسلام کو تضحیک کا نشانہ بنا رکھا ہے۔ وہ سعودی قوانین کو خاطر میں نہیں لاتے۔ انہیں معلوم ہے کہ سعودی عرب کا قانون عورتوں کو بے پردہ گھر سے باہر نکلنے اور موٹر چلانے سے روکتا ہے' لہٰذا انہوں نے جان بوجھ کر عورتوں کی بٹالین تعینات کر دی ہیں۔ یہ عورتیں کھلے سر ہو کر غیر موزوں لباس میں گاڑیاں چلاتی پھرتی ہیں۔ ایسے واقعات پیش آئے ہیں کہ اگر مقامی پولیس نے ان کو ٹوکا تو انہوں نے پولیس کو سختی سے ڈانٹ دیا۔ امریکی سپاہیوں میں ہزاروں یہودی سعودی عرب کی سرزمین پر آ گئے ہیں۔ یہ کیا گل کھلاتے ہیں' اس کا اندازہ ابھی کرنا مشکل ہے۔ امریکی فوجوں کے لئے سور کا گوشت اور شراب مہیا کرنا اب سعودی عرب کی ذمہ داری ہے جس کو وہ پوری نیاز مندی سے نباہ رہا ہے۔

خلیج کی اس صورت حال سے امت مسلمہ کے لئے کئی اندیشے ابھرتے ہیں۔ اگر جنگ ہوتی ہے تو مشرق وسطیٰ کے تمام ممالک زبردست نقصان اٹھاتے اور تباہی سے دوچار ہوتے ہیں۔ اس صورت میں اسرائیل' جو اس وقت ایک جانب خاموش تماشائی بنا ہوا کھڑا ہے' فی الفور اپنا الوسیدھا کرے گا اور یہ ایک ایسے وقت میں ہو گا جب عربوں کی توپوں کا رخ عراق کی جانب ہو گا اور اسرائیل کا محاذ خالی ہو گا۔ اس صورت حال میں حرمین شریفین کے لئے جو خطرہ پنہاں ہے اس کی طرف سے آنکھیں بند نہیں کی جا سکتیں۔ جنگ نہ بھی ہو تو کم از کم امریکہ کا معاملہ اب اس روایتی اونٹ کا سا ہے جس نے بدو کے خیمے میں سر داخل کرنے کی اجازت لے لی تھی اور بالآخر بدو کو وہاں سے نکال باہر کیا تھا اور خود اندر گھس کر بیٹھ گیا تھا۔

اس وقت ضرورت اس امر کی ہے کہ اسلامی ممالک ہر قیمت پر صدام حسین کو مجبور کریں کہ وہ عقل کے ناخن لے اور اپنا اٹھایا ہوا قدم واپس لے کر مغربی اقوام کے خلیجی ممالک کو مستقر بنانے کے جواز کو ختم کر دے۔ اس کے بدلے میں اگر اس کو بعض مراعات بھی دینی پڑیں تو دولت مند عرب ممالک کو اس سے دریغ نہیں کرنا چاہئے کیونکہ ان کی دولت اگر امت مسلمہ کو عظیم خطرات سے نہ بچا سکی تو وہ کس کام کی ہے۔

بقیہ: اعمال کی جزا و سزا کا تصوّر

کے شوق' ایمان اور عمل صالح کا ذکر کیا گیا ہے۔ اور دوسری طرف ان کی اضداد کی حیثیت سے دنیوی زندگی پر قناعت' رب کی ملاقات سے ناامیدی' آیات سے غفلت اور بدی کے ارتکاب کو بیان کیا ہے۔ پہلی صفات بندے کو جنت کا مستحق ٹھہراتی ہیں جبکہ دوسری صفات کا انجام دوزخ کی صورت میں ظاہر ہونے والا ہے۔

تفسیر سورہ اعراف (۳)

اور ہم نے جس بستی میں بھی کوئی رسول بھیجا' اس کے باشندوں کو مالی اور جسمانی مصائب سے آزمایا کہ وہ رجوع کریں ○ پھر ہم نے دکھ کو سکھ سے بدل دیا۔ یہاں تک کہ وہ پھلے پھولے ۶۵ اور کہنے لگے کہ دکھ اور سکھ تو ہمارے باپ دادوں کو بھی پہنچے ہیں۔ پھر ہم نے ان کو اچانک پکڑ لیا اور وہ اس کا کوئی گمان نہیں رکھتے تھے ○ اور اگر بستیوں والے ۶۶ ایمان لاتے اور تقویٰ اختیار کرتے تو ہم ان پر آسمان و زمین کی برکتوں کے دروازے کھول دیتے لیکن انہوں نے جھٹلایا تو ہم نے ان کی کرتوتوں کی پاداش میں ان کو پکڑ لیا ○ ۹۶

تو کیا بستیوں والے نچنت رہ سکے اس بات سے کہ آدھمکے ان پر ہمارا عذاب راتوں رات اور وہ سوئے پڑے ہوں ○ اور کیا بستیوں والے نچنت رہ سکے اس بات سے کہ ان پر آدھمکے ہمارا عذاب دن دہاڑے اور وہ کھیل کود میں ۶۷ ہوں ○ تو کیا وہ اللہ کی تدبیر سے بچ سکے ؟ تو یاد رکھو کہ خدا کی تدبیر سے وہی لوگ نچنت ہوتے ہیں جو نامراد ہونے والے ہوں ○ کیا سبق نہیں ملا ان کو جو ملک کے وارث بنے ہیں اس کے اگلے

۶۵۔ یہ اس سنت الٰہی کا بیان ہے جو انبیاء کی بعثت کے ساتھ لازماً ظاہر ہوتی ہے۔ وہ سنت یہ ہے کہ جب نبی توبہ و استغفار اور جزا و سزا کی منادی شروع کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ لوگوں کو قحط' وبا' طوفان وغیرہ کی آزمائشوں میں مبتلا کر دیتا ہے تاکہ جن لوگوں کے اندر اثر پذیری کی کچھ بھی رمق ہو وہ خدا کے آگے جھکیں اور توبہ و اصلاح کریں۔ جن لوگوں کے دل پیغمبر کی دعوت سے بیدار نہیں ہوتے ان کو اللہ تعالیٰ ڈھیل دے دیتا ہے تاکہ وہ بدمست ہو کر گہری نیند سو جائیں اور خدا کا عذاب ان کو اپنی گرفت میں لے لے۔

۶۶۔ 'بستیوں والے' سے مراد وہی قومیں ہیں جن کی تکذیب کی داستان اوپر بیان ہوئی ہے۔

۶۷۔ یعنی یہ لوگ خدا کے عذاب کے بالمقابل اپنے بچاؤ کے لئے کوئی بند نہ باندھ سکے' نہ رات میں نہ دن میں۔ خدا کی تدبیر بے امان ہے اس وجہ سے کسی کے لئے جائز نہیں کہ اس سے نچنت اور بے خوف رہے۔

انھوں کے بعد ۶۸ کہ اگر ہم چاہیں تو ان کو ان کے گناہوں کی پاداش میں ابھی آ پکڑیں اور ان کے دلوں پر ٹھپہ لگا دیں تو وہ سننے سمجھنے سے رہ جائیں ○ یہ بستیاں ہیں جن کی سرگزشتوں کا کچھ حصہ ہم تمہیں سنا رہے ہیں۔ ان کے پاس ہمارے رسول کھلی نشانیاں لے کر آئے تو وہ ایمان لانے والے نہ بنے بوجہ اس کے کہ وہ پہلے سے جھٹلاتے رہے تھے۔ اسی طرح اللہ ٹھپہ لگا دیا کرتا ہے کافروں کے دلوں پر ○ اور ہم نے ان میں سے اکثر میں عہد کی استواری نہیں پائی۔ ان میں سے اکثر بدعہد ہی نکلے ۶۹ ○ ۱۰۲

پھر ۷۰ ہم نے ان کے بعد موسیٰ کو اپنی نشانیوں کے ساتھ فرعون اور اس کے اعیان کے پاس رسول بنا کر بھیجا تو انہوں نے اپنی جانوں پر ظلم اور نشانیوں کا انکار کیا۔ تو دیکھو ان مفسدوں کا کیا انجام ہوا ○ اور موسیٰ نے کہا اے فرعون' میں خداوند عالم کا فرستادہ ہوں ○ سزاوار اور حریص ہوں کہ اللہ کی طرف حق کے سوا کوئی اور بات منسوب نہ کروں۔ میں تمہارے پاس تمہارے خداوند کی جانب سے کھلی ہوئی نشانی ۷۱ لے کر آیا ہوں تو میرے ساتھ بنی اسرائیل کو جانے دو ۷۲ ○ اس نے جواب دیا کہ اگر تم کوئی نشانی لے کر آئے ہو تو اس کو

۶۸۔ مراد قریش ہیں جو ان قوموں کے بعد اقتدار کے وارث ہوئے جن کا ذکر اوپر ہوا۔ فرمایا کہ یہ ضد اور ہٹ دھرمی کی جس روش پر بڑھتے چلے جا رہے ہیں' وہ وقت دور نہیں کہ ہم ان کے دلوں پر مہر کر دیں اور یہ سننے سمجھنے سے بالکل ہی رہ جائیں۔ یہ ہمارے عذاب کا مقدمہ ہو گا جس کے بعد لازماً ہمارا فیصلہ کن عذاب نازل ہو جائے گا۔

۶۹۔ یہ دلوں پر مہر لگنے کا نتیجہ اور اثر بیان ہوا ہے۔ ان کی مت اس طرح ماری جاتی ہے کہ بار بار قسمیں کھا کھا کے عہد کریں گے کہ اگر فلاں معجزہ دکھا دو تم ہم مان لیں گے لیکن وہ معجزہ دیکھنے کے بعد بھی اپنے عہد سے پھر جائیں گے اور نئے معجزہ کا مطالبہ کرنے لگیں گے۔

۷۰۔ آگے حضرت موسیٰ اور فرعون کی سرگزشت اور ساتھ ہی بنی اسرائیل کے دینی و سیاسی عروج و زوال کی پوری تاریخ اجمال مگر نہایت جامعیت کے ساتھ سامنے رکھ دی گئی ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے بعد جس طرح قریش کی قسمت خدا کی میزان عدل میں آ گئی اسی طرح بنی اسرائیل کی قسمت بھی کسوٹی پر رکھ دی گئی۔

۷۱۔ نشانی سے مراد یہاں عصا اور ید بیضاء کا وہ معجزہ ہے جس سے اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ کو مسلح کر کے فرعون کے پاس بھیجا۔

۷۲۔ حضرت موسیٰ چاہتے تھے کہ مصر کے غلامانہ ماحول سے بنی اسرائیل کو الگ لے جا کر منظم اور ان

پیش کرو' اگر تم سچے ہو ۰ تو اس نے اپنی لٹھیا ڈال دی وہ یکایک ایک سچ مچ کا اژدہا بن گئی ۰ اور اس نے اپنا ہاتھ کھینچا تو وہ دیکھنے والوں کے لئے چمکتا ہوا نکلا ۰ ۷۳ قوم فرعون کے اعیان نے کہا۔ یہ تو بڑا ماہر جادوگر ہے ۰ یہ چاہتا ہے کہ تمھیں تمہارے ملک سے نکال دے تو تم کیا رائے دیتے ہو ۰ بولے ابھی اس کو اور اس کے بھائی کو ٹالو اور تمام شہروں میں ہرکارے بھیجو ۰ جو تمام ماہر جادوگروں کو اکٹھا کر کے تمہارے پاس لائیں ۰ جادوگر فرعون کے پاس حاضر ہوئے۔ بولے بڑا صلہ ملے گا ہمیں 'اگر ہم ہی غالب رہے ۰ فرعون نے کہا' ہاں بے شک' اور تم ہمارے مقربین میں بھی داخل ہو گے ۔ ۰ ۱۱۳

بولے اے موسیٰ' یا تو پہلے تم پیش کرو' یا ہمیں پیش کرنے والے بنتے ہیں۔ اس نے کہا تمھی پیش کرو۔ تو جب انہوں نے پیش کیا تو لوگوں کی آنکھوں پر جادو کر دیا اور ان پر دہشت طاری کر دی اور بہت بڑا کرتب دکھایا ۰ اور ہم نے موسیٰ کو وحی کی کہ تم اپنی لٹھیا ڈال دو' تو وہ دفعتہ نگلنے لگی اس کو جو وہ گھڑتے تھے ۰ تو حق ظاہر ہو گیا اور جو کچھ وہ کر رہے تھے وہ سب نابود ہوا ۷۴ ۰ تو اس وقت وہ مغلوب ہوئے اور ذلیل ہو کر رہ گئے ○ اور ساحر سجدے میں گر پڑے ۰ بولے ہم عالم کے خداوند ۔۔۔ موسیٰ اور ہارون کے خداوند ۔۔۔ پر ایمان لائے ۷۵ ۰ ۱۲۲

کے اندر ان تمام دینی روایات کو از سر نو زندہ کریں ۔ جو مصری محکومانہ زندگی میں بالکل مردہ ہو چکی تھیں ۔ اس مقصد کے لئے شاید وہ سینا کے اسی علاقے میں جانا چاہتے تھے جہاں انہوں نے خدا کی تجلی دیکھی تھی ۔

۷۳ ـ معجزات کے باب میں سنتہ اللہ یہ معلوم ہوتی ہے کہ وہ قوموں کے مذاق اور رجحانات کی رعایت سے دیئے جاتے ہیں ۔ حضرت موسیٰ کے دور میں مصر میں سحر و شعبدہ کا بڑا زور اور سوسائٹی میں ساحروں کو بڑا مقام حاصل تھا ۔ اس وجہ سے حضرت موسیٰ کو ایسے معجزے عطا ہوئے جن سے ساحروں کے طلسم کو باطل کیا جا سکے ۔

۷۴ ـ معجزہ اور سحر کا فرق دو چیزوں سے نمایاں ہوتا ہے ۔ ایک تو باہمی تقابل سے معجزہ کی سطوت و جلالت' باطل پر اس کا غلبہ اور اس کے ظہور کا انداز واضح کرتا ہے کہ یہ سحر کے قبیل کی چیز نہیں اور دوسرے پیش کرنے والے کی شخصیت اور اس کا کردار اس بارے میں فیصلہ کن ہوتا ہے ۔

۷۵ ـ ساحروں کے اندر حق پسندی کی ایک روشنی دبی ہوئی موجود تھی جو حضرت موسیٰ کے معجزے کی جلالت سے بھڑک اٹھی ۔ سعادت کا کوئی شمہ بھی انسان کے اندر موجود ہو تو بتوفیق الٰہی وہ اپنا اثر دکھائی جاتا ہے ۔

فرعون نے کہا تم لوگ میری اجازت کے بغیر اس پر ایمان لائے ۔ یہ ایک سازش ہے جو تم نے شہر میں اس غرض سے کی ہے کہ اس کے باشندوں کو یہاں سے نکالو ۷۶ تو تم عنقریب جان لو گے ۔ میں تمہارے ہاتھ اور پاؤں بے ترتیب کاٹوں گا پھر تم سب کو سولی پر چڑھا دوں گا ۰ وہ بولے 'ہم اپنے رب ہی کی طرف لوٹیں گے ۰ تم ہمارے درپے آزار صرف اس غصہ میں ہو رہے ہو کہ ہم اپنے رب کی نشانیوں پر جب کہ وہ ہمارے پاس آئیں' ایمان لائے ۔ اے ہمارے رب' ہم پر صبر انڈیل دے اور ہمیں وفات اسلام پر دے ۷۷ ۰ ۱۲۶

اور قوم فرعون کے اعیان نے فرعون سے کہا کیا تو اسی طرح موسیٰ اور اس کی قوم کو چھوڑے رکھے گا کہ وہ ملک میں بدامنی پھیلائیں اور تجھ کو اور تیری موروثوں کو ٹھکرائیں ۷۸ اس نے کہا کہ ہم ان کے ذکور کو قتل کریں گے اور ان کی لڑکیوں کو زندہ رکھیں گے اور ہم ان پر پوری طرح حاوی ہیں ۰ موسیٰ نے اپنی قوم سے کہا ۔ اللہ سے مدد چاہو اور ثابت قدم رہو ۔ زمین اللہ کی ہے' وہ جس کو اپنے بندوں میں سے چاہتا ہے اس کو اس کا وارث بناتا ہے اور انجام کار کی کامیابی خدا سے ڈرنے والوں ہی کے لئے ہے ۰ وہ بولے ہم تو تمہارے آنے سے پہلے بھی ستائے گئے اور تمہارے آنے کے بعد بھی ۷۹ اس نے کہا توقع ہے کہ تمہارا رب

---

۷۶ ـ تورات سے معلوم ہوتا ہے کہ مصری ارسٹوکریسی بنی اسرائیل کی بڑھتی ہوئی تعداد اور ان کی قوت سے اس دور میں نہایت تشویش میں مبتلا تھی ۔ اس لئے انہوں نے حضرت موسیٰ کی دعوت اصلاح کو متہم کرنے کے لئے اس کو ملک سے بے دخل کرنے کی سازش قرار دینے کا اشغلہ چھوڑا ۔

۷۷ ـ ساحروں کی مقابلہ سے پہلے کی خوشامدانہ گفتگو اور اس کے بعد ان کی یہ پر عزم اور ایمان افروز گفتگو واضح کرنے کے لئے کافی ہے کہ اگر انسان ایمان سے خالی ہے تو اس سے زیادہ حقیر کوئی شے نہیں اور اگر وہ ایمان سے بہرہ مند ہے تو اس سے زیادہ بلند کوئی شے نہیں ۔

۷۸ ـ فرعون اپنے زعم کے مطابق اپنے آپ کو مصریوں کے سب سے بڑے دیوتا ۔۔۔ سورج ۔۔۔ کا اوتار سمجھتا تھا ۔ اس طرح وہ بادشاہ بھی تھا اور سب سے بڑے دیوتا کا مظہر ہونے کے سبب سے ان کا رب اعلیٰ بھی ۔ اس نے اپنے بت مملکت میں جگہ جگہ نصب کر رکھے تھے ۔ یہاں موروثوں سے ان بتوں کی طرف اشارہ ہے ۔

۷۹ ـ بنی اسرائیل بے یقینی اور ضعیف الاعتقادی کے مریض تھے ۔ حضرت موسیٰ کی تلقین پر کہنے لگے کہ تمہارے باعث ہمارے دن سخت سے سخت تر ہوتے جا رہے ہیں ۔ تمہاری ان طفل تسلیوں کے بھروسے پر کون جی سکتا ہے ۔

تمہارے دشمن کو پامال کرے گا اور تم کو ملک کا وارث ۸۰ بنائے گا کہ دیکھے تم کیا روش اختیار کرتے ہو o ۱۲۹

اور ہم نے آل فرعون کو قحط سالی اور پیداوار کی کمی میں مبتلا کیا تاکہ ان کو تنبیہ ہو۔ تو جب خوش حالی آتی' کہتے' یہ تو ہے ہی ہمارا حصہ اور اگر ان پر کوئی آفت آتی تو اس کو موسیٰ اور اس کے ساتھیوں کی نحوست قرار دیتے۔ سن رکھو کہ ان کی قسمت اللہ ہی کے پاس ہے لیکن ان میں کے اکثر نہیں جانتے o اور کہتے ہیں کہ خواہ تم کیسی ہی نشانی ہمیں مسحور کرنے کے لئے لاؤ ہم تو تمہاری بات باور کرنے کے نہیں o تو ہم نے ان پر بھیجے طوفان اور ٹڈیاں اور جوئیں اور مینڈک اور خون' تفصیل کی ہوئی نشانیاں ۸۱ تو انہوں نے تکبر کیا اور یہ مجرم لوگ تھے o اور جب آتی ان پر کوئی آفت تو درخواست کرتے کہ اے موسیٰ تم اپنے رب سے' اس عہد کے واسطہ سے جو اس نے تم سے کر رکھا ہے' ہمارے لئے دعا کرو۔ اگر تم نے ہم سے یہ آفت دور کر دی تو ہم تمہاری بات ضرور مان لیں گے o اور تمہارے ساتھ بنی اسرائیل کو جانے دیں گے o تو جب ہم ان سے دور کر دیتے آفت کو کچھ مدت کے لئے جس تک وہ پہنچنے والے ہوتے تو وہ دفعتہ عہد توڑ دیتے o تو ہم نے ان کو کیفر کردار کو پہنچا دیا اور انہیں سمندر میں غرق کر دیا بوجہ اس کے کہ انہوں نے ہماری نشانیوں کو جھٹلایا اور ان سے بے پروا بنے رہے o اور جو لوگ دبا کے رکھے گئے تھے ہم نے ان کو اس سرزمین کے مشرق و مغرب کا وارث ٹھہرایا جس میں ہم نے برکتیں رکھی تھیں اور تیرے رب کا اچھا وعدہ بنی اسرائیل پر پورا ہوا بوجہ اس کے کہ وہ ثابت قدم رہے اور ہم نے فرعون اور اس کی قوم کی ساری تعمیرات اور ان کے سارے باغ و چمن ملیامیٹ کر دیئے ۸۲ o ۱۳۷

اور ہم نے بنی اسرائیل کو سمندر کے پار اتار دیا تو ان کا گزر ایک ایسی قوم پر ہوا جو اپنے کچھ بتوں کی پرستش میں لگی ہوئی تھی۔ انہوں نے کہا' اے موسیٰ جس طرح ان کے دیوتا ہیں اسی طرح کا ایک دیوتا تم ہمارے لئے بھی بنا دو ۸۳ اس نے کہا تم بڑے ہی جاہل لوگ ہو o ان لوگوں کا یہ سب کچھ جس میں یہ لگے

۸۰۔ ملک سے یہاں مراد مصر کی سرزمین نہیں بلکہ فلسطین کا علاقہ ہے۔

۸۱۔ ان معجزات کی تفصیل تورات کی کتاب خروج کے ابواب ۷ تا ۹ میں موجود ہے۔ قرآن نے ان کی طرف چونکہ صرف اشارہ کیا ہے اس وجہ سے ان کی تفصیلات کے لئے حوالہ تورات کا دیا ہے۔

۸۲۔ یعنی اللہ تعالیٰ نے قوم بنی اسرائیل کو جو فرعونیوں کے ہاتھوں غلامی و محکومی کے سخت شکنجوں میں کسی ہوئی تھی' رفعت بخشی اور اس کو فلسطین کی وسیع حکومت عطا فرمائی اور قوم فرعون پر غرق کے علاوہ بھی تباہی آئی جس سے ان کے شہر اور باغ اجڑ گئے۔

۸۳۔ بنی اسرائیل کے اس مطالبہ سے اندازہ ہوتا ہے کہ مصر کی طویل غلامی نے ان کی ذہنی و اخلاقی سطح اتنی پست کر دی تھی کہ خدا کے جمال و جلال کی اتنی شانیں دیکھنے کے بعد بھی وہ فتنوں سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکے۔

ہوئے ہیں برباد اور جو کچھ کر رہے ہیں نابود ہونے والا ہے o اس نے کہا۔ کیا میں تمہارے لئے اللہ کے سوا کوئی معبود ڈھونڈوں درآنحالیکہ وہی ہے جس نے تم کو اہل عالم پر فضیلت بخشی o اور یاد کرو جب کہ ہم نے تم کو آل فرعون سے نجات دی جو تمہیں نہایت برے عذاب چکھاتے تھے' وہ تمہارے بیٹوں کو بے دردی سے قتل کرتے اور تمہاری عورتوں کو زندہ رکھتے اور اس میں تمہارے رب کی طرف سے بڑی ہی آزمائش تھی o اور ہم نے موسیٰ سے تیس راتوں کا وعدہ کیا اور اس کو پورا کیا دس مزید راتوں سے تو اس کے رب کی مدت چالیس راتوں میں پوری ہوئی ۸۴ اور موسیٰ نے اپنے بھائی ہارون سے کہا' میری قوم میں میری جانشینی کرنا۔ اصلاح کرتے رہنا اور مفسدوں کی روش کی پیروی نہ کرنا ۸۵ o اور جب موسیٰ ہماری مقررہ مدت پر حاضر ہوا اور اس سے اس کے رب نے کلام کیا تو اس نے درخواست کی کہ اے میرے رب مجھے موقع دے کہ میں تجھے دیکھ لوں۔ فرمایا تم مجھے ہرگز نہ دیکھ سکو گے البتہ پہاڑ کی طرف دیکھو' اگر یہ اپنی جگہ پر ٹکا رہ سکے تو تم بھی مجھے دیکھ سکو گے۔ تو جب اس کے رب نے پہاڑ پر اپنی تجلی ڈالی تو اس کو ریزہ ریزہ کر دیا اور موسیٰ بے ہوش ہو کر گر پڑے ۸۶' پھر جب ہوش میں آئے' بولے تو پاک ہے' میں نے تیری طرف رجوع کیا اور میں پہلا ایمان لانے والا بنتا ہوں o

فرمایا' اے موسیٰ میں نے تم کو لوگوں پر اپنے پیغام اور اپنے کلام سے سرفراز کیا تو میں نے جو کچھ تم کو دیا اس کو لو

۸۴۔ حضرت موسیٰ سے تیس دن کا وعدہ ان کو شریعت دینے کے لئے تھا۔ وہ فرط اشتیاق میں وقت مقررہ سے پہلے کوہ طور پر پہنچ گئے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی اس عجلت پر گرفت فرمائی اور مدت چالیس دن تک بڑھا دی۔ انبیاء علیہم السلام حق کی میزان ہوتے ہیں۔ وہ اتباع ہوا سے مغلوب ہو کر تو کوئی غلطی کرتے ہی نہیں۔ اگر اتباع رضائے الٰہی کے جوش میں بھی ان کا کوئی قدم حدود سے متجاوز ہو جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کی بھی اصلاح فرماتا ہے۔

۸۵۔ معلوم ہوتا ہے حضرت موسیٰ اپنی قوم کے اندر کے فسادی عناصر سے آگاہ تھے۔ اس لئے انہوں نے بطور خاص حضرت ہارونؑ کو نصیحت کی کہ ان عناصر کو کوئی فتنہ نہ اٹھانے دینا۔

۸۶۔ اس واقعہ سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو یہ بتانا مقصود تھا کہ خدا آنکھوں سے دیکھنے اور ہاتھوں سے چھونے کی چیز نہیں ہے' صرف عقل سے سمجھنے اور دل سے ماننے کی چیز ہے۔ آنکھیں صرف اس کی صفات کے جلوے دیکھ سکتی ہیں۔ اس سے آگے ان کی رسائی نہیں ہے' تاکہ حضرت موسیٰ اپنی قوم کو جو خدا کو پیکر محسوس میں دیکھنا چاہتی تھی یہ تعلیم دے سکیں۔

اور شکر گزاروں میں سے بنو ۰ اور ہم نے اس کے لئے تختیوں پر ہر قسم کی نصیحت اور ہر چیز کی تفصیل[۸۷] لکھ دی پس اس کو مضبوطی سے پکڑو اور اپنی قوم کو ہدایت کرو کہ اس کے بہتر طریقہ کو اپنائیں ۸۸ میں تم کو عنقریب نافرمانوں کا ٹھکانا دکھاؤں گا ۰ میں ان لوگوں کو جو زمین میں ناحق گھمنڈ کرتے ہیں اپنی نشانیوں سے برگشتہ کروں گا اور اگر وہ ہر قسم کی نشانیاں بھی دیکھ لیں گے تو بھی ان پر ایمان نہ لائیں گے۔ اگر ہدایت کی راہ دیکھیں گے تو اسے تو نہ اپنائیں گے اور اگر گمراہی کی راہ دیکھیں گے تو اسے اپنائیں گے۔ یہ اس وجہ سے کہ انہوں نے ہماری نشانیوں کو جھٹلایا اور ان سے بے پروا بنے رہے ۸۹ ۰ اور جنہوں نے ہماری نشانیوں اور آخرت کی ملاقات کو جھٹلایا ان کے اعمال ڈھے گئے اور وہ بدلے میں وہی پائیں گے جو وہ کرتے رہے ۰ ۱۴۷

۸۷۔ یعنی ان الواح میں ہر قسم کی ضروری ہدایات بھی تھیں اور تمام ضروری تفصیلات بھی۔ اس مرحلہ میں دین و شریعت کے جو احکام ضروری تھے وہ بھی دیئے گئے اور جماعتی تنظیم و تشکیل سے متعلق تفصیلات بھی درج الواح ہوئیں۔

۸۸۔ مطلب یہ ہے کہ بنی اسرائیل بت پرست قوموں کی خرافات پر نہ ریجھیں بلکہ اس پاکیزہ اور اعلیٰ و احسن طریقہ کو اپنائیں جو ان الواح میں ان کو بتایا گیا ہے۔

۸۹۔ یہ برسرموقع ایک جامع تنبیہہ و تذکیر ہے کہ کون لوگ ان تعلیمات کی قدر کریں گے اور ان سے فائدہ اٹھائیں گے اور کون ان سے منہ موڑیں گے اور اس کے نتیجہ میں آخرت کی محرومی سے دوچار ہوں گے۔

امین احسن اصلاحی

آنحضرتؐ کا وحی کا پہلا تجربہ
صحیح بخاری کتاب الوحی کی احادیث

حدثنایحی بن بکیر قال اخبر نااللیث عن عقیل عن ابن شہاب عن عروہ بن الزبیر عن عائشہ ام المومنین رضی اللہ عنہا انہا قالت اول مابدی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من الوحی الرویاالصالحہ فی النوم فکان لایری رویا الا جاء ت مثل فلق الصبح ثم حبب الیہ الخلاو کان بغار حراء فیتحنث فیہ وھو التعبداللیالی ذات العددقبل ان ینزع الی اھلہ و یتزود لذالک ثم یر جع الی خدیجہ فیتزو دلمثلہا حتی جاء الحق و ھو فی غار حراء فجاء الملک فقال اقرافقال فقلت ماانا بقاری قال فاخذنی فغطنی حتی بلغ منی الجھد ثم ارسلنی فقال اقراء فقلت ماانا بقاری قال فاخذنی فغطنی الثانیہ حتی بلغ منی الجھد ثم ارسلنی فقلا اقرا فقلت ما انابقاری قال فاخذنی فغطنی الثالثہ ثم ارسلنی فقال اقرا باسم ربک الذی خلق خلق الانسان من علق اقرا وربک الا کرم ورجع بہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یر جف فوادہ فد خل علی خدیجہ بنت خویلد فقال زملونی زملونی فزملوہ حتی ذھب عنہ الرو ع فقال لخدیجہ واخبرھا الخبر لقد خشیت علی نفسی فقالت خدیجہ کلا واللہ مایخذیک اللہ ابدا انک لتصل الرحم و تحمل الکل و تکسب المعدوم و تقری الضیف و تعین علی نوائب الحق فانطلقت بہ خدیجہ حتی اتت بہ ورقہ بن نو فل بن اسد بن عبد العزی ابن عم خدیجہ واکان امرء ا تنصر فی الجاھلیہ و کان یکتب الکتاب العبرانی فیکتب من الانجیل بالعبرانیہ ماشاء اللہ ان یکتب و کان

شيخا كبيرا قدعمى فقالت له خديجه يا ابن عم اسمع من ابن اخيک فقال له ورقه يا ابن اخى ماذاترى فاخبر رسول الله صلى الله عليه وسلم خبر مارای فقال له ورقه هذالناموس الذى نزل الله على موسى ياليتنى فيهاجز عاياليتنى اكون حيا اذيخرجک قومک فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم او مخرجى هم قال نعم لم يات رجل قط بمثل ماجئت به الاعودى وان يدر كنى يومک انصر ک نصرا موزرا ثم لم ينشب ورقه ان توفى وفترالوحى قال ابن شهاب واخبرنى ابوسلمه بن عبد الرحمن ان جابر بن عبد الله الانصارى قال وهو يحدث عن فترة الوحى فقال فى حديثه بينا انا امشى اذسمعت صوتا من السماء فرفعت بصرى فاذالملک الذى جاء بحراء يجلس على الكرسى بين السماء والارض فرعبت منه فرجعت فقلت زملونى زملونى فانزل الله تعالى يا ايها المدثر قم فانذر وربک فكبر و ثيابک فطهر الرجز فاهجر فحمى الوحى و تتابع تابعه عبد الله بن يوسف و ابو صالح و تابعه هلال بن روادعن الزهرى وقال يونس و معمر بوادره۔

ترجمہ :---ابن شہاب عروہ ابن زبیر سے اور وہ حضرت عائشہ ام المومنین سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے کہا کہ اول چیز جس سے آنحضرتؐ پر وحی کا آغاز ہوا وہ اچھے خواب کی حالت تھی جو آپ نیند میں دیکھتے۔ جو خواب آپ دیکھتے وہ صبح کی روشنی کی طرح ہوتا۔ پھر آپ کو تنہائی پسندی کی طرف رغبت ہوئی۔ آپ غار حرا میں خلوت گزیں ہوتے اور وہاں پر **تحنث** کرتے۔ **تحنث** سے مراد کئی کئی دنوں کی عبادت ہے۔ جس کے بعد آپ اہل خانہ کی طرف واپس آتے اور کھانے پینے کی اشیاء لے جاتے۔ آپ کا یہی معمول تھا اور آپ غار حرا ہی میں تھے کہ حق آ گیا۔ آپ کے پاس حضرت جبرئیل آئے اور کہا پڑھو۔ آنحضرت نے فرمایا کہ اس پر میں نے کہا کہ میں تو پڑھا ہوا نہیں ہوں۔ آپ نے فرمایا کہ جبرئیل نے مجھے پکڑ کر ایسا بھینچا کہ میں چور چور ہو گیا۔ پھر مجھے چھوڑ دیا اور کہا کہ پڑھو میں نے کہا کہ میں پڑھا ہوا نہیں ہوں۔ پھر انہوں نے دوسری مرتبہ مجھے پکڑا اور بھینچا یہاں تک کہ میں بالکل شل ہو گیا۔ پھر مجھے چھوڑ دیا اور کہا کہ پڑھو میں نے کہا کہ میں پڑھا ہوا نہیں ہوں۔ پھر انہوں نے تیسری مرتبہ مجھے پکڑا اور بھینچا۔ پھر چھوڑ دیا اور کہا

اقراء باسم ربک الذى خلق ○ خلق الانسان من علق ○ اقراوربک الاکرام ○

(پڑھ اپنے اس خداوند کے نام سے جس نے پیدا کیا۔ پیدا کیا انسان کو خون کے تھکے سے۔ پڑھ اور تیرا رب بڑا ہی کریم ہے)۔

یہ باتیں سن کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس حال میں گھر آئے کہ ان کا دل کانپ رہا تھا۔ آپ

خدیجہ بنت خویلد کے پاس آئے اور کہا کہ مجھے اوڑھاؤ مجھے اوڑھاؤ۔ اہل خانہ نے آپ کو کپڑا اوڑھا دیا۔ جب آپ کا ڈر جاتا رہا تو آپ نے حضرت خدیجہ کو واقعہ سنایا اور کہا کہ مجھے اپنی جان کا خدشہ پیدا ہو گیا ہے۔ حضرت خدیجہ نے کہا ہرگز نہیں' خدا کی قسم اللہ تعالیٰ آپ کو کبھی رسوا نہیں کرے گا۔ آپ صلہ رحمی کرتے ہیں' ناتوانوں کا بوجھ اپنے اوپر لیتے ہیں' محروموں کو کما کر دیتے ہیں' مہمان نوازی کرتے ہیں اور حادثات میں لوگوں کی مدد کرتے ہیں۔ پھر حضرت خدیجہ آپ کو لے کر ورقہ بن نوفل بن اسد بن عبدالعزیٰ کے پاس' جو حضرت خدیجہ کے چچازاد بھائی تھے' گئیں۔ ورقہ بن نوفل جاہلیت میں نصرانی ہو گئے تھے۔ وہ عبرانی لکھنا جانتے تھے اور انجیل سے عبرانی میں جو اللہ چاہتا لکھتے تھے۔ اس وقت وہ بوڑھے اور اندھے ہو گئے تھے۔ حضرت خدیجہ نے ان سے کہا کہ میرے چچازاد بھائی اپنے بھتیجے کی بات سنو۔ ورقہ بن نوفل نے کہا اے بھتیجے کہو تم نے کیا دیکھا۔ رسول اللہؐ نے جو دیکھا تھا وہ سب کو بتا دیا۔ اس پر ورقہ بن نوفل نے کہا کہ یہ تو وہی فرشتہ ہے جو حضرت موسیٰ کی طرف اترا کرتا تھا۔ کاش میں اس وقت کڑیل جوان ہوتا' کاش میں اس وقت تک زندہ رہتا جب آپ کی قوم آپ کو اپنے شہر سے نکال دے گی۔ اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا کہ کیا وہ مجھ کو نکال دیں گے۔ ورقہ نے کہا ہاں۔ جب بھی کوئی شخص وہ چیز لایا جس کی خبر آپ لائے ہیں تو لوگ اس کے دشمن ہو جاتے ہیں۔ اگر میں اس دن تک زندہ رہا تو تمہاری پوری مدد کروں گا۔ پھر زیادہ وقت نہ گزرا تھا کہ ورقہ کا انتقال ہو گیا اور وحی آنی بند ہو گئی۔ ابن شہاب کہتے ہیں کہ مجھے ابو سلمہ بن عبدالرحمٰن نے جابر بن عبداللہ انصاری سے سن کر بتایا کہ وہ وحی کے بند ہونے کا تذکرہ کرتے تھے۔ انہوں نے اپنی روایت میں یوں بیان کیا کہ رسول اللہؐ نے فرمایا کہ میں ایک دفعہ چل رہا تھا تو میں نے آسمان سے ایک آواز سنی۔ میں نے اپنی آنکھ اٹھائی تو کیا دیکھتا ہوں کہ وہی فرشتہ جو غار حرا میں میرے پاس آیا تھا' آسمان اور زمین کے درمیان ایک کرسی پر بیٹھا ہوا ہے۔ میں اس سے مرعوب ہو گیا اور گھر کو لوٹا اور کہا کہ مجھے اوڑھاؤ مجھے اوڑھاؤ۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیات اتاریں۔

یاایها المدثر ○ قم فانذر ○ وربک فکبر ○ وثیابک فطهر ○ والرجز فاهجر ○

(اے چادر لپیٹے رکھنے والے اٹھ اور لوگوں کو ڈرا اور اپنے رب ہی کی کبریائی کی منادی کر اور اپنے دامن کو پاک رکھ اور پلیدی کو چھوڑ)۔

اس کے بعد وحی برابر آنے لگی۔ ابن شہاب کی اس روایت کی عبداللہ بن یوسف اور ابو صالح نے متابعت کر دی ہے۔ اور ہلال بن رداد نے بھی زہری سے متابعت کر دی ہے۔ اور یونس اور معمر نے فواد کی بجائے بوادرہ کا لفظ استعمال کیا ہے۔ اس صورت میں مطلب ہو گا جسم میں کپکپی پیدا ہو گئی۔

وضاحت: بدء الوحی کے سلسلے کی دوسری روایت ہے۔ بعض لوگوں نے اس روایت پر تردد کا اظہار کیا

ہے لیکن ہمارے نزدیک یہ روایت ٹھیک ہے۔ یہ الگ بات ہے کہ اس میں ابن شہاب زہری کے بعض اضافے شامل ہیں جن کے باعث بات صرف وہیں تک نہیں رہتی جہاں تک ہے۔ بلکہ زہری اپنی طرف سے کچھ شرح بھی کر دیتے ہیں۔ اگر اس طرح کی کوئی چیز ہو تو وہ عالمانہ تنقید سے دور کی جا سکتی ہے۔

رویائے صالحہ :

اس روایت سے یہ بات صاف معلوم ہوتی ہے کہ وحی کا آغاز رویائے صالحہ سے ہوا۔ رویائے صالحہ ہوتے تو خواب ہی لیکن دوسرے خوابوں سے بالکل الگ نوعیت کے ہوتے تاکہ نبی رویائے صالحہ اور اضغاث احلام میں فرق کرنے لگ جائے۔ یہ ایسے روشن خواب ہوتے جیسے رات کی تاریکی میں سے صبح نکل آئے۔ ان میں نبیؐ کے لئے واضح پیغام ہوتا۔ رویائے صالحہ کی ایک مثال حضرت یوسف علیہ السلام کا وہ خواب ہے جس میں انہوں نے یہ دیکھا کہ سورج' چاند اور گیارہ ستارے ان کو سجدہ کر رہے ہیں۔ ان کی دوسری مثال حضرت ابراہیم علیہ السلام کا وہ خواب ہے جس میں انہوں نے یہ دیکھا کہ اپنے بیٹے کو ذبح کر رہے ہیں۔ ان کے علاوہ قران مجید میں خود آنحضرتؐ کے ان خوابوں کا ذکر آیا ہے جو غزوہ بدر یا حدیبیہ کے موقعوں پر آپ نے دیکھے۔ نبوت سے قبل رویائے صالحہ دکھانے کا مقصد یہ تھا کہ نبی کے دل و دماغ اور اس کی روح کی پوری طرح سے تربیت کر کے اس کو اصل وحی کے تحمل کے لئے تیار کر دیا جائے۔ اس موقع پر ابھی وحی نازل کرنے کا اصل مرحلہ نہیں آیا تھا۔

تحنث کی عبادت :

رویائے صالحہ کے بعد یہ صورت ہوئی کہ آپ پر خلوت پسندی کا غلبہ ہو گیا۔ کسی غیبی طریقے سے یا رویا کی کسی رہنمائی کی تحت آنحضرتؐ نے اس کی پوری اہمیت محسوس کی ہوگی تو آپ نے چاہا کہ اپنی زیادہ سے زیادہ توجہ اللہ تعالیٰ کی طرف مبذول کریں تاکہ آپ کا ذہن صحیح طور پر اس سے مانوس ہو جائے۔ یہ خلوت آپ غار حرا میں کرتے تھے۔ وہاں کی عبادت کو تحنث کا نام دیا گیا ہے۔ تحنث کا مطلب اس زمانے کے حنفاء کی عبادت ہے۔ حضرت اسماعیل علیہ السلام کے ذریعے سے جو دین منتقل ہوا تھا وہ حنیفیت کہلاتا تھا۔ وہ اپنے مبادی کے لحاظ سے اسلام کا ابتدائی چربہ تھا۔ اس میں عبادت کے طریقے اور شرعی احکام میں سے بھی بعض چیزیں تھیں' اگرچہ جاہلیت کے دور میں وہ بہت مبہم ہو گئی تھیں اور عوام الناس نے اس میں شرک کی بدعتیں شامل کر لی تھیں۔ اسی دین کے سچے پیروکار وہ حنفاء تھے جن کے متعلق روایات میں آتا ہے کہ وہ خانہ کعبہ کی دیواروں کے ساتھ لگ کر بیٹھ جاتے اور کہتے کہ اے رب ہم نہیں جانتے کہ تیری عبادت کس طریقہ سے کریں۔ اگر ہم جانتے تو تیری عبادت اسی طرح کرتے۔ یہی لوگ ہیں جو سب سے پہلے اسلام لائے۔ جاہلیت کا مفہوم جن لوگوں نے یہ سمجھا ہے کہ وہاں دین کی قسم کی

کوئی چیز ہی نہ تھی تو یہ بالکل غلط ہے۔ اسی طرح ان لوگوں کا خیال بھی غلط ہے جو یہ کہتے ہیں کہ تحنث عیسائیوں کے طریقے کی کوئی عبادت تھی۔ دراصل یہ حنیفیت کے طریقے کی عبادت تھی۔ یہ ملت ابراہیمی کا ایک چربہ اور اسلام کا ابتدائی نقش تھا۔ اس طریقے میں چند متعین راتوں کی عبادت کے لئے آنحضرتؐ غار حرا چلے جاتے اور اپنے اہل و عیال میں واپس آ کر دوبارہ زاد راہ لیتے اور پھر چند روز کے لئے غار حرا کو چلے جاتے۔ یہ سلسلہ جاری رہا یہاں تک کہ حق واضح ہو گیا اور اصلی وحی کے آغاز کا وقت آ گیا۔

فرشتہ کی آمد :

آپ غار حرا میں ہی تھے کہ فرشتہ آیا۔ اس نے دو مرتبہ آپ سے اقراء (پڑھ) کہا جس کا جواب آپ نے یہ دیا کہ ماانا بقاری (میں پڑھا ہوا نہیں ہوں) اس نے دونوں مرتبہ آپ کو بھینچ لیا اور تیسری مرتبہ پھر اقراء کہا۔ پھر وہی جواب سن کر فرشتے نے تیسری مرتبہ بھینچ کر آپ کو چھوڑا تو کہا کہ اقراء باسم ربک الذی خلق ٥ خلق الانسان من علق ٥ اقراو ربک الاکرم ٥ پڑھ اپنے اس خداوند کے نام سے جس نے پیدا کیا' پیدا کیا انسان کو خون کے تھکے سے۔ پڑھ اور تیرا رب بڑا ہی کریم ہے۔

یہاں یہ بات پیش نظر رہنی چاہئے کہ کسی روحانی طاقت سے اتصال کا موقع بڑا نازک ہوتا ہے۔ اس کے لئے ذہن اور دماغ کو تیار کرنے کے لئے بار بار کی ملاقات' بار بار کی آشنائی اور بار بار کا انس ضروری ہوتا ہے یہ سب باتیں ترشیح کی نوعیت کی ہیں تاکہ پیغمبر کی باطنی تربیت ہو جائے۔ فرشتے کا بار بار بھینچنے اور چھوڑنے کا مطلب پوری طرح سے اپنے آپ کو پہچنوا دینا' بے تکلف کر دینا اور اپنی ذات اور آواز سے پیغمبر کو آشنا کر دینا ہو سکتا ہے تاکہ جب دوبارہ ملاقات ہو تو آپ کو اطمینان ہو جائے کہ وہی یار غار آ گیا ہے۔ یہ کوئی شیطانی چیز نہیں۔ قرآن مجید میں سورہ نجم میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے چند تجربات وحی بیان ہوئے ہیں۔ وہاں ان کا حوالہ دینے کا مقصد یہی واضح کرنا ہے کہ پیغمبر جس فرشتے سے ملنے کا ذکر کرتے ہیں ان کے لئے وہ کوئی نامانوس فرشتہ نہیں ہوتا بلکہ ایک جانی پہچانی شخصیت ہے۔ روحانی معاملات میں اس طرح کا تعارف اسی قدر ضروری ہے جتنا دنیاوی معاملات میں ضروری ہوتا ہے۔ اگر نبی کو فرشتہ وحی سے اچھی طرح متعارف نہ کرایا جائے تو اس کو شیطان دھوکہ دے سکتا ہے۔ شیطان جب یہ بات جان جائے کہ نبیؐ کو فرشتے کا انتظار رہتا ہے تو کسی دن مقدس قبا وغیرہ پہن کر اس کے پاس آ کر کہہ سکتا ہے کہ میں جبریل امین ہوں۔ نبیؐ کے مذکورہ تجربہ کے بعد آپ پر شیطان کا اس قسم کا کوئی فریب نہیں چل سکتا تھا کیونکہ آپ کی اس طرح سے تربیت و ترشیح ہوئی تھی کہ آپ کوئی دھوکہ نہیں کھا سکتے تھے۔

اس واقعہ کے بعد فرشتے کے آنے میں کچھ وقفہ رہا۔ ظاہر ہے یہ وقفہ بھی اس لئے تھا کہ آپ کا دل تھم جائے اور مانوس ہو جائے۔ ایک ہی سانس میں تو نبوت کے سارے راز بھی نہیں بتا دیئے جاتے۔ وہ بھی

آہستہ آہستہ بتائے جاتے ہیں۔ اسی طرح فرشتے کے آنے میں وقفہ بالکل فطری تھا۔

اقراء کا مفہوم :

نبیؐ اور فرشتہ کے مابین گفتگو میں غور کرنے کی چیز یہ ہے کہ آنحضرت نے فرشتے کے قول اقراء کا مطلب کیا سمجھا۔ لفظ اقراء سے کئی مطلب لئے جا سکتے ہیں۔ ایک مطلب تو جیسا کہ اس زمانے کے بعض ذہین لوگوں نے سمجھا ہے کہ فرشتے کے پاس کوئی لکھی ہوئی چیز تھی جس کو پڑھنے کے لئے اس نے کہا۔ اس پر آپ نے فرمایا کہ میں تو پڑھا ہوا نہیں۔ یہ توجیہ بس دلچسپ کہی جا سکتی ہے۔ اس پر کئی اعتراضات وارد ہوتے ہیں۔ کیا فرشتہ یہ نہیں جانتا تھا کہ آنحضرت لکھنا پڑھنا نہیں جانتے ؟ کیا اس واقعہ کے بعد آپ کو پڑھنا لکھنا آ گیا ؟ کیا آئندہ بھی فرشتہ کوئی صحیفہ لایا کرتا تھا جس سے آپ کو پڑھواتا ؟ اقراء کی دوسری توجیہ یہ کی گئی ہے کہ جس طرح استاد ایک ایسے شاگرد سے جو پڑھنا نہیں جانتا کہتا ہے کہ پڑھو اور وہ اس انتظار میں ہوتا ہے کہ کیا پڑھوں' اسی طرح فرشتے کو جواب دیتے ہوئے آنحضرت نے پوچھا کہ میں کیا پڑھنے والا ہوں۔ گویا جوابی جملہ استفہام کا مفہوم رکھتا ہے۔ میرے نزدیک یہ توجیہ عربیت کا صحیح ذوق رکھتے ہوئے کرنا کسی طرح ممکن نہیں۔

اقراء کا تیسرا مفہوم یہ ہو سکتا ہے کہ لوگوں کو پڑھ کر سناؤ۔ یہ معنی بہت واضح اور قرآن کے استعمالات کے مطابق ہیں۔ اس صورت میں ماانا بقاری کا مفہوم یہ ہو گا کہ میں کوئی ذی علم آدمی نہیں ہوں کہ لوگوں کو پڑھاؤں سناؤں۔ اس کام کے لئے تو کچھ جاننے کی ضرورت ہے جس سے میں واقف نہیں ہوں۔ تب فرشتے نے تیسری مرتبہ یہ کہا کہ اپنے رب کے نام سے سناؤ۔ میرے نزدیک رب کے نام سے پڑھ کر سنانے کی ہدایت میں ایک اہم نکتہ پوشیدہ ہے وہ یہ کہ آنحضرتؐ کے متعلق قدیم صحیفوں میں جو پیشین گوئی کی گئی ہے اس کا خاص پہلو یہ ہے کہ آخری نبی جب آئے گا تو اپنے رب کے نام سے سنائے گا۔ جو شخص اس کی بات نہیں سنے گا تو خدا اس سے نمٹے گا۔ کتاب استثنا ۱۸:۱۸۔۱۹ میں الفاظ یوں ہیں

"میں ان کے لئے ان ہی کے بھائیوں میں سے تیری مانند ایک نبی برپا کروں گا اور اپنا کلام اس کے منہ میں ڈالوں گا اور جو کچھ میں اسے حکم دوں گا وہی وہ ان سے کہے گا اور جو کوئی میری ان باتوں کو جن کو وہ میرا نام لے کر کہے گا نہ سنے گا تو میں ان کا حساب ان سے لوں گا"۔

اگر فرشتہ کا جواب اقراء باسم . ربک تک محدود مانا جائے تو یہ مذکورہ پیشین گوئی کے پورا ہونے کی خبر ہے ۔ اس صورت میں آنحضرتؐ کا یہ فرمانا بھی ٹھیک ہے کہ میں تو جانتا نہیں کہ مجھے لوگوں کو کیا سنانا ہے اور فرشتے کا یہ بتانا بھی معنی خیز ہے کہ آپ نے اللہ تعالیٰ کے نام سے سنانا ہے۔ وہی آپ کو بتائے گا کہ آپ کیا سنائیں۔ میرے خیال میں فرشتے کا جواب اقراء باسم ربک تک ہی تھا اور اس کا مقصد پیغمبرؐ کو خدا کا کلام خلق کو

سنانے کے لئے تیار کرنا تھا۔ اس موقع پر باقاعدہ نزول وحی نہیں ہوا تھا۔

سورہ علق پہلی وحی نہ تھی :

رہی یہ بات کہ روایت میں تو سورہ علق کی ابتدائی تین آیتیں آ گئی ہیں تو میرے نزدیک ملتے جلتے الفاظ موجود پا کر یہ اضافہ راویوں نے کر دیا ہے تاکہ اس سے سورہ علق کا سب سے پہلے اترنا ثابت کیا جا سکے۔ یہ ہے تو بڑی ذہانت کی بات لیکن اس کو لوگوں نے بالاتفاق تسلیم نہیں کیا۔ بعض لوگ سورہ مزمل کو بعض سورہ مدثر کو بعض سورہ فاتحہ کو قرآن کی پہلی نازل ہونے والی سورہ مانتے ہیں۔ اگر صرف سورہ علق پر ہی سب کا اتفاق ہوتا جیسا کہ بخاری میں ہے تو اس سے انکار ممکن نہ ہوتا لیکن ایسا نہیں ہے۔

سورہ علق جو پڑھئے تو معلوم ہوتا ہے کہ جب قریش مکہ کی طرف سے انتہائی مخالفت کا اظہار ہونے لگا تو اس وقت یہ سورہ نازل ہوئی۔ اس کے ایک ایک جملے سے شدت غضب نمایاں ہو رہی ہے۔ اتنا سخت لب و لہجہ پہلی ہی سورہ میں کسی طرح نہیں ہو سکتا۔ اگر یہ کہا جائے کہ صرف ابتدائی آیات پہلے نازل ہوئیں تو اس اعتراض سے تو جان چھوٹ جائے گی لیکن واقعہ یہ ہے کہ اس طرح آپ مضمون کو جہاں سے الگ کرنا چاہتے ہیں وہاں سے وہ الگ ہوتا نہیں۔ سورہ نہایت مربوط ہے اور قریش کو نہایت سختی سے جھنجھوڑ رہی ہے کہ وہ نبی کی مخالفت سے باز آ جائیں ورنہ ان کا حشر برا ہو گا۔

اس سلسلہ میں یہ بات بھی قابل غور ہے کہ اس روایت کی رو سے آنحضرتؐ جب نہایت وحشت کی حالت میں گھر تشریف لے گئے اور کپڑا اوڑھانے کی ہدایت کی تو آپ نے کسی سے بھی یہ نہیں کہا کہ مجھ پر کوئی سورہ نازل ہوئی بلکہ حضرت خدیجہ اور ورقہ بن نوفل دونوں کو اس واقعہ کی خبر دی جو آپ کی وحشت کا باعث ہوا۔ اگر واقعتاً سورہ علق کا نزول ہوا ہوتا تو اصل بات تو یہی بتانے کی ہوتی۔ نیز ایک سورہ کے نازل ہونے کے بعد خود آپ پر یہ بات واضح ہو چکی ہوتی کہ آپ کو خدا نے پیغمبر مبعوث کیا ہے اور وحی نازل کرنا شروع کر دی ہے۔ اس صورت میں ورقہ بن نوفل کے پاس جانے کی کوئی حاجت ہی نہ ہوتی۔ چونکہ آپ ابھی تک اس بات سے آگاہ نہیں تھے کہ آپ نبیؐ بنائے گئے ہیں اور آپ نے اپنے آپ کو اس حیثیت سے ظاہر نہیں کیا تو معلوم ہوتا ہے اس مرحلہ پر نوبت باقاعدہ وحی تک آئی ہی نہ تھی۔

ابن شہاب کی تعلیق:

واقعہ کی روایت کے بعد ابن شہاب کی اس پر حاشیہ آرائی ہے اور لوگوں نے اس کو تعلیق کہا بھی ہے ابن شہاب کہتے ہیں کہ مجھے ابو سلمہ بن عبد الرحمان نے خبر دی کہ جابر بن عبد اللہ انصاری جب وحی کے رک جانے کے متعلق روایت کر رہے تھے تو انہوں نے بتایا کہ جب آنحضرتؐ چل رہے تھے تو آپ نے آسمان میں اسی غار حرا والے فرشتے کو دیکھا کہ وہ آسمان اور زمین کے درمیان ایک کرسی پر بیٹھا ہوا ہے۔ یہ دیکھ

کر آپ مرعوب ہو گئے۔ گھر لوٹے تو زملونی زملونی کہنے لگے۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے سورہ مدثر کی پہلی پانچ آیات اتاریں۔ اب دیکھئے اس تعلیق کا ماسبق سے کیا تعلق ہے۔ یہ تو وہی بات ہوئی کہ ماروں گھٹنا پھوٹے آنکھ۔ ظاہر ہے کہ اس روایت کا یہاں جوڑ بالکل بے محل ہے۔ ابن شہاب اب یہ کہنا چاہتے ہیں کہ اس واقعہ کے بعد سورہ مدثر پہلے نازل ہوئی حالانکہ روایت کے الفاظ سے اگر کوئی قرینہ بنتا ہے تو سورہ مزمل کے اترنے کا بنتا ہے۔ کیونکہ زملونی کا لفظ استعمال ہوا ہے۔ اگرچہ دوسری روایت میں زملونی کی بجائے دثرونی بھی آیا ہے لیکن یہ اضافہ ابن شہاب کا ادراج یعنی حاشیہ آرائی ہے۔ اس کی متعدد مثالیں بخاری اور موطا میں موجود ہیں۔ مثلاً موطا کی کتاب الجامع میں الوضو من العین کی پہلی روایت محمد بن ابی اسامہ بن سہل بن حنیف سے ہے جو صحیح ہے۔ اسی روایت کو ابن شہاب نے لے کر اس میں اس قدر ادراج کیا ہے کہ نظر بد کے سلسلے میں عملیات کا باقاعدہ نظام تجویز کر دیا ہے۔ صحیح بخاری اور موطا امام مالک دونوں کتابوں کی یہ مشترکہ خصوصیت ہے کہ دونوں نے ابن شہاب زہری پر بے حد انحصار کیا ہے اور ان کی مدرج روایتیں لینے سے بھی احتراز نہیں کیا۔

۴- حدثنا موسیٰ بن اسماعیل قال اخبرنا ابو عوانۃ قال حد ثنا موسیٰ بن ابی عائشۃ قال حد ثنا سعید بن جبیر عن ابن عباس رضی اللہ عنہما فی قولہ تعالیٰ لاتحرک بہ لسانک لتعجل بہ قال کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یعالج من التنزیل شدۃ و کان مما یحرک شفتیہ فقال ابن عباس رضی اللہ عنہما فانا احرکھمالک کما کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یحرکھما و قال سعید انا احرکھما کما رایت ابن عباس رضی اللہ عنہما یحرکھما فحرک شفتیہ فانزل اللہ تعالیٰ لا تحرک بہ لسانک لتعجل بہ ان علینا جمعہ و قرانہ قال جمعہ لک صدرک و تقراہ فاذا قراناہ فاتبع قرانہ۔ قال فاستمع لہ وانصت ثم ان علینا بیانہ ثم ان تقراہ فکان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بعد ذالک اذا اتاہ جبرائیل استمع فاذا انطلق جبرائیل قراہ النبی صلی اللہ علیہ وسلم کما قراہ۔

ترجمہ: ۔ ۔ ۔ سعید بن جبیر حضرت ابن عباسؓ سے اللہ تعالیٰ کے قول لاتحرک بہ لسانک لتعجل بہ (اس کو جلدی سیکھ لینے کے لئے اس کے پڑھنے پر اپنی زبان کو جلدی نہ چلاؤ) کے بارے میں روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قرآن کے نزول کے وقت ایک شدت (یا تکلیف) اپنے اوپر محسوس کرتے تھے۔ اور یہ چیز آپ کے ہونٹوں کی حرکت کا سبب

بنی تھی۔ ابن عباسؓ نے کہا کہ میں تمہارے لئے ہونٹوں کو اسی طرح حرکت دیتا ہوں جس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حرکت دیتے تھے اور سعید نے کہا کہ میں تمہارے سامنے اسی طریقے سے ہونٹوں کو حرکت دیتا ہوں جس طرح کہ میں نے ابن عباسؓ کو حرکت دیتے ہوئے دیکھا۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت اتاری۔ **لا تحرک بہ لسانک لتعجل بہ ان علینا جمعہ و قرانہ فاذا قراناہ فاتبع قرانہ ثم ان علینا بیانہ** (اس کو جلدی سیکھ لینے کے لئے اس کے پڑھنے پر اپنی زبان کو جلدی نہ چلاؤ۔ ہمارے ذمہ ہے اس کو جمع کرنا اور اس کو سنانا تو جب ہم اس کو سنا چکیں تو اس سنانے کی پیروی کرو۔ پھر ہمارے ہی ذمہ ہے اس کی وضاحت کرنا) انہوں نے وضاحت کی کہ جمع کرنے سے مطلب قرآن کا تمہارے سینے کے اندر جمع کرنا ہے اور تم اس کو پڑھ سکو گے' ہم اس کو سنا چکیں تو تم اس کے سنانے کی پیروی کرو' کا مطلب یہ ہے کہ توجہ سے سنو اور خاموش رہو "پھر ہمارے ذمہ ہے اس کی وضاحت کرنا" کا مفہوم یہ ہے کہ یہ ہماری ذمہ داری ہے کہ تم اس کو پڑھ سکو۔ اس ہدایت کے بعد جب جبرئیل امین آتے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم توجہ سے صرف سنتے اور جب وہ واپس چلے جاتے تو آپ اس کو اسی طرح پڑھتے جس طریقے سے اس کو پڑھا ہوتا۔

<u>وضاحت:</u> اس روایت میں کئی مشکلات ہیں۔ پہلی یہ کہ اس میں سند کے اعتبار سے بحث ہے۔ اس میں جن آیات کا حوالہ ہے وہ سورہ قیامہ کی ہیں اور سورہ قیامہ صرف مکی ہی نہیں بلکہ ابتدائی مکی دور کی سورہ ہے۔ حضرت عبد اللہ بن عباسؓ کی ولادت ہجرت کے تین سال بعد ہوئی ہے اور وہ ایک ایسی بات بیان کر رہے ہیں جو ان آیات کے نزول کا سبب بنی۔ یعنی یہ کہ آنحضرتؐ شدت وحی کے زیر اثر ہونٹوں کو حرکت دیتے تھے۔ ایسا کرنے سے آپ کو روکا گیا۔ اس ہدایت کے بعد آپ ہونٹ ہلانے سے رک گئے۔ حضرت عبد اللہ بن عباسؓ کے لئے یہ کس طرح ممکن ہے کہ وہ ابتدائی مکی دور کی ایک سورہ کی وضاحت بہ نفس نفیس آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے تصویر کشی کر کے کریں کہ سورہ قیامہ کے نزول سے پہلے آنحضرتؐ اس طریقے سے ہونٹوں کو حرکت دیا کرتے تھے۔ آخر انہوں نے کس طرح سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ہونٹوں کو حرکت دیتے دیکھا ؟ محدثین اس کا جواب یہ دیتے ہیں کہ انہوں نے کسی معمر صحابی کو ایسا کرتے دیکھا ہو گا یا اس سے سنا ہو گا۔ اگر ایسا ہوا تھا تب بھی اصل راوی کا اظہار ضروری تھا۔ پس سند کے اعتبار سے اس روایت میں یہ خامی ہے۔

دوسرا بڑا سوال معنی کے لحاظ سے ہے۔ حضرت ابن عباسؓ ہونٹوں کو حرکت دینے کی وجہ یہ بتاتے ہیں کہ وحی کے نزول کے وقت آنحضرتؐ ایک قسم کی تکلیف محسوس کرتے تھے تو اس تکلیف کے باعث

ہونٹوں کو حرکت دیتے تھے۔ لیکن قرآن مجید نے اس کا سبب آنحضرتؐ کی جلد بازی کو بتایا ہے۔ اسی زیر بحث آیت میں ہے کہ لا تحرک بہ لسانک لتعجل بہ (تم اپنے ہونٹوں کو حرکت جلد بازی کے لئے نہ دو) جلد بازی اور شدت کے احساس میں بہت بڑا فرق ہے۔ اس لئے کہ جلد بازی کا محرک کسی چیز کے شوق کا جذبہ بھی ہو سکتا ہے۔ جب کوئی نامہ شوق آئے تو یہ فطری خواہش ہوتی ہے کہ اس کو جلدی سے پڑھ لیا جائے اور محض شوق میں اس کو زبان سے دہرانے کی کوشش بھی ہوتی ہے بالخصوص جب پیغام کی نوعیت ایسی ہو کہ اس کو یاد بھی رکھنا ہو۔ قرآن مجید کی دوسری آیات سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ تحریک شفتین کا تعلق جلد بازی سے تھا جس کا سبب آنحضرتؐ کا شوق تھا۔ فرمایا لا تعجل بالقرآن من قبل ان یقضی الیک وحیہ (طہ۔ ۱۱۴)
(قرآن کے لئے اپنی طرف اس کی وحی پورے کئے جانے سے پہلے جلدی نہ کرو)۔

جلدی جلدی پڑھنے کے لئے آپ ہونٹوں کو جلدی جلدی حرکت دیں تو یہ حرکت کسی اذیت یا شدت کے باعث نہیں ہوتی۔ یہ تو صرف اس لئے ہوتی ہے کہ آپ چاہتے ہیں کہ جلد از جلد سن کر اس کو دہرا بھی لیں تاکہ وہ محفوظ ہو جائے تو معنی کے لحاظ سے بھی اس روایت میں یہ مشکل ہے۔

آیت کی تفسیر کے لحاظ سے بھی یہ روایت صحیح نہیں۔ ان آیات کا سیاق و سباق، نظم قرآن اور قرآن کے نظائر اس معنی کے خلاف ہیں جو روایت میں بیان کیا گیا ہے۔ یہ بات معلوم ہے کہ مکہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم قریش سے جو کبھی لڑائی لڑ رہے تھے اور اس میں آپؐ کا واحد ہتھیار وحی الٰہی ہی تھا۔ مشرکین جتنے اعتراضات پیدا کرتے تھے، جتنے شوشے چھوڑتے تھے، جتنے مطالبے کرتے تھے اور جس جس طریقے سے زچ کرنے کی کوشش کرتے تھے، ان تمام معاملات میں آپ کو مشورہ دینے کے لئے کوئی مشیر یا وکیل تو تھا نہیں جو فیس کے عوض یہ کام کر دیتا، یہ صرف وحی الٰہی ہی تھی جس کا آپ کو شدت سے انتظار رہتا۔ آپ منتظر ہوتے کہ قرآن نازل ہو تو مجھے اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان کے سوالوں کا جواب معلوم ہو اور میں ان لوگوں کو مطمئن کر سکوں اور جو الجھنیں ان کے ذہن یا مسلمانوں کے ذہن میں پیدا ہو رہی ہیں ان کو رفع کروں اور آگے جو قدم اٹھانا ہے اس کے لئے رہنمائی حاصل کروں۔ اس وجہ سے قدرتی طور پر جب آپ کے پاس وحی آتی تو آپ لپک کر اس کو سنتے اور ساتھ ہی ساتھ اس شوق میں کہ جلدی سے ساری کی ساری وحی ہضم کر لوں کہ کہیں بھول نہ جائے اپنی زبان سے اس کا اعادہ بھی کرتے تھے۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے آپ کو اطمینان دلایا کہ تمہیں پریشان ہونے کی ضرورت نہیں۔ یہ نہ خیال کرو کہ تم اس کو بھول سکتے ہو۔ اس کو جمع کرنا اور پڑھنا ہمارا کام ہے اس میں کوئی کسر ہوگی تو ضرورت پڑنے پر ہم اس کی وضاحت بھی کر دیں گے۔ آیت کا سیدھا سادا موقع و محل یہ ہے۔ اس کی تائید قرآن مجید کے کئی مقامات سے بھی ہوتی ہے اور یہ بالکل انسانی فطرت کے مطابق بھی ہے۔

پھر یہ بات بھی قابل غور ہے کہ وحی کے جتنے معاملات ہیں ان کی نوعیت یہ نہیں تھی کہ آنحضرتؐ کے سوا دوسرے لوگ بھی اس میں شریک ہو جائیں۔ جبریل امین آتے تھے تو آپؐ پر وحی نازل کرتے تھے۔ آپؐ ہی اس کو سنتے اور اس کی تلقی کرتے تھے۔ آپ جو کچھ محسوس کرتے وہ آپؐ کے تمام تر روحانی معاملات تھے۔ اس میں دوسرا کوئی شخص شریک نہیں ہو سکتا تھا۔ صحابہ کرامؓ کے جو مشاہدات بیان ہوئے ہیں وہ بس اسی قدر ہیں کہ ظاہر میں اگر کوئی اثر پڑا ہے، مثلاً نزول وحی کے وقت آپ کی پیشانی پسینہ آلود ہو گئی ہے تو اس کو صحابہؓ جان گئے ہیں۔ یا کبھی جبریل امین عام لوگوں کو کوئی بات سکھانے کے لئے خود ہی بشری روپ میں آئے ہیں تو لوگوں نے ان کو دیکھا ہے، وہ بھی اس طرح کہ لوگ یہ سمجھتے رہے کہ باہر کا کوئی آدمی آیا ہے، جو آنحضرتؐ سے کچھ سوالات کر رہا ہے۔ اس نے ان کے جوابات آنحضرتؐ سے سنے اور اپنی راہ لی۔ اس کے جانے کے بعد آنحضرتؐ نے بتایا کہ جبریل امین تھے جو تمہیں دین سکھانے کے لئے آئے تھے۔ نزول وحی کے وقت آپ کی ظاہری حالت کے سوا باطن میں جو کوئی بات ہوتی تھی اس کا علم صحابہ کرامؓ کو نہیں ہوتا تھا۔ اس وجہ سے ان معاملات کے متعلق کسی کی رائے اس وقت تک کوئی وقعت نہیں رکھتی جب تک کہ خود نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کی روایت ثابت نہ ہو۔

اس روایت کا باب سے بھی کوئی تعلق معلوم نہیں ہوتا۔ اگر آپ اس کو کیف کان بدء الوحی سے جوڑنا چاہیں تو اس سے بس اتنا پتہ چلتا ہے کہ آنحضرت کو ابتدائے وحی میں بہت تکلیف ہوتی تھی۔ لیکن یہ بنیادی غلط ہے جیسا کہ اوپر کے مباحث سے واضح ہے۔

۵۔ حدثنا عبدان قال اخبرنا عبداللہ قال اخبرنا یونس عن الزھری وحدثنا بشر بن محمد قال حدثنا عبداللہ قال اخبرنا یونس و معمر نحوہ عن الزھری اخبرنی عبیداللہ بن عبداللہ عن ابن عباس رضی اللہ عنہما قال کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اجود الناس وکان اجود یکون فی رمضان حین یلقاہ جبریل وکان یلقاہ فی کل لیلۃ من رمضان فیدارسہ القرآن فکان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اجود بالخیر من الریح المرسلۃ۔

ترجمہ:۔۔۔ حضرت عبداللہ عباسؓ سے روایت ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ویسے ہی بہت فیاض تھے لیکن رمضان میں آپؐ اس وقت بہت زیادہ فیاض ہو جاتے تھے جب آپ کے پاس جبریل امین رمضان میں آ کر ملاقات کرتے۔ یہ ملاقات رمضان کی ہر شب میں ہوتی اور وہ آپ سے قرآن کا مذاکرہ کرتے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس زمانے میں فیاضی کرنے میں باد صبا سے بھی زیادہ فیاض ہو جاتے۔

وضاحت: قرآن مجید سال بھر میں جتنا نازل ہوتا تو اس کو محفوظ تر بنانے کے لئے اللہ تعالیٰ نے یہ اہتمام بھی کیا تھا کہ جبریل امین جو اس کو لانے والے تھے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے مذاکرہ کر کے اس کو پختہ کر دیتے تھے۔ جبریل امین سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ مذاکرہ ہر سال ہوتا تھا اور آپ کی وفات کے سال جیسا کہ دوسری روایت میں آتا ہے' دو دفعہ پورے قرآن مجید کا مذاکرہ ہوا تھا۔

ہم آپ جو تراویح پڑھتے ہیں اس کے حق میں یہ ایک شرعی دلیل ہے کہ یہ نماز جبریل امین کے اسی مذاکرے کی یادگار ہے اور اس مذاکرے سے تراویح کو بڑی مناسبت ہے۔ یہ واقعہ ہے کہ تراویح کی برکت سے بہت سے مسلمانوں کو قرآن مجید حفظ ہوا اور وہ سنا جاتا ہے۔ یہ بڑی شان کی چیز ہے جو سوائے قرآن مجید کے کسی صحیفے کو حاصل نہیں۔

بندہ اگر صحیح شعور رکھتا ہو تو اس کو جتنی نعمت ملے گی اتنا ہی زیادہ اس کے اندر شکر گزاری کا جذبہ پیدا ہو گا۔ الٹا ذہن ہو تو اس کے اندر نعمت کی فراوانی سے کفر اور ناشکری پیدا ہو جاتی ہے۔ ایسے ہی لوگوں کے متعلق آیا ہے۔ بدلوا نعمت اللہ کفرا (انہوں نے نعمت کو کفر سے بدل دیا)۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر فیوض و برکات یوں تو ہمیشہ نازل ہوتی تھیں لیکن رمضان کے مہینے میں ان کی گویا بارش ہوتی تھی۔ اس کی شکر گزاری کے جذبے میں واقعہ یہ ہے کہ آپ باد صبا کی طرح فیاض بن جاتے تھے۔

اس روایت کو بھی باب کیف کان بدء الوحی سے کوئی ادنیٰ تعلق بھی نہیں البتہ قرآن مجید سے وہ تعلق ہے جو اوپر بیان ہوا۔

(ترتیب۔ سعید احمد)

تدبر حدیث

امین احسن اصلاحی

موطا کی کتاب البیوع

بیع کا لفظ اشتراء اور بیع یعنی خرید اور فروخت دونوں کیلئے آتا ہے۔ اس کے معنی کا یہ اشتراک قدیم زمانے کے نظام تجارت کی وجہ سے ہوا ہے۔ اس زمانے میں دنیا میں بارٹر سسٹم رائج تھا۔ یعنی تجارت میں اشیا کا تبادلہ کر لیا جاتا تھا۔ موجودہ زمانے میں بعض صورتوں میں بین الاقوامی تجارت بارٹر سسٹم ہی کے تحت ہوتی ہے۔ مبادلے میں ایک چیز ثمن بھی ہوتی ہے اور مبیع بھی۔ اس لئے میرے نزدیک بیوع کا صحیح ترجمہ معاملات ہے۔ معاملات کے بارے میں یہ بات یاد رکھنے کی ہے کہ دو معاملات ایسے ہیں جن پر عالمی تمدن کی بنیاد ہے۔ ایک وہ جو میاں بیوی کے درمیان شادی کا معاہدہ ہوتا ہے اور دوسرا وہ جو اشیاء کی لین دین کا معاملہ ہوتا ہے۔ یہ دونوں بنیادی چیزیں ہیں۔ یہ نہ ہوں تو معاشرہ وجود میں نہیں آتا اور زندگی نہیں گزر سکتی۔ سب سے زیادہ اہم یہی معاملات ہیں۔ اسی لئے ان دونوں کے متعلق خصوصیت کے ساتھ شریعت میں بحث آئی ہے تاکہ محکم تمدن وجود میں آسکے۔ کتاب البیوع اشیاء کی لین دین کے معاملات پر بحث کرتی ہے۔

ماجاء فی بیع العربان

حدثنی یحیی عن مالک عن الثقة عنده عن عمرو بن شعیب عن ابیه عن جده ان رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم نهی عن بیع العربان قال مالک و ذالک فیما نری و اللہ اعلم ان یشتری الرجل العبد او الولیدۃ او یتکاری الدابة ثم یقول للذی اشتری منه او تکاری منه اعطیک دینارا او درهما او اکثر من ذالک او اقل علی انی ان اخذت السلعة او رکبت ماتکاریت منک فالذی اعطیتک هو من ثمن السلعة او من کراء الدابة وان ترکت ابتاع السلعة او کراء الدابة فما اعطیتک لک باطل بغیر شئی۔

ترجمہ: ۔ ۔ ۔ ۔ امام مالک اس شخص سے روایت کرتے ہیں جو ان کے نزدیک قابل اعتماد ہے ۔ وہ عمرو بن شعیب سے وہ اپنے باپ سے اور ان کے دادا سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیع عربان سے منع فرمایا۔ امام مالک کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ بہتر جانتے ہیں لیکن میرا خیال یہ ہے کہ ایک شخص کوئی غلام یا لونڈی خریدے یا کرائے پر سواری لے پھر اس شخص سے جس سے اس نے معاملہ کیا ہے یہ کہے کہ میں تمہیں ایک دینار یا ایک درہم یا اس سے زیادہ یا کم رقم دیتا ہوں۔ اس شرط پر کہ اگر میں نے یہ مال خریدا یا سواری کی تو میں نے جو رقم تم کو دے دی ہے وہ اس کی قیمت میں شمار ہوگی اور اگر میں نے خریدنے کا ارادہ فسخ کر دیا یا سواری کو کرایہ پر استعمال کرنے کا ارادہ ترک کر دیا تو جو کچھ میں نے دیا ہے وہ حبط ہو گا' میں اس کا مطالبہ نہ کروں گا۔

وضاحت: بیع عربان یا عربون کیلئے اردو میں ایک جامع لفظ نہیں مل سکا۔ امام مالک نے خود ہی اسکی نوعیت کی تشریح کر دی ہے۔ لغت کے لحاظ سے بیع عربان کا مطلب یہ معلوم ہوتا ہے کہ ایک شخص ایک چیز کے خریدنے کے متعلق اپنا ارادہ ظاہر کرتا ہے اور کچھ رقم پیشگی دے کر اس چیز کو اس وقت تک کے لئے محفوظ کرا لیتا ہے جب تک وہ یہ طے نہ کر لے کہ خریدوں یا نہ خریدوں' تاکہ وہ چیز اس دوران ہاتھ سے نہ نکل جائے ۔ قدیم زمانے میں اس کی بڑی اہمیت تھی۔ مال باہر سے آتا تھا اور ہاتھوں ہاتھ بک جاتا تھا۔ کسی شخص کے لئے اس کا امکان بہت کم ہوتا تھا کہ وہ کچھ عرصے کے لئے اس کو اپنے لئے محفوظ کرا سکے۔ تو اس کو محفوظ کرانے کا ایک طریقہ یہ نکالا گیا کہ کچھ رقم بطور بیعانہ دے دی جاتی۔ اسی کو روایت میں بیع عربان کا نام دیا گیا ہے۔

بیع عربان اس روایت کی رو سے ناجائز ہے۔ لیکن جو مذاہب نقل ہوئے ہیں ان کی رو سے ایسی بیع کو عبداللہ بن عمر جیسا محتاط آدمی جائز قرار دیتا ہے اور امام احمد بن حنبل بھی اس کو جائز سمجھتے تھے۔ اس لئے معلوم کرنا پڑے گا کہ صحیح صورت معاملہ کیا ہے۔

فقہا معاملات میں فساد کی بنیاد یہ بتاتے ہیں کہ ایسے معاملات جن میں کسی ایک فریق کو ضرر یا غرر ہو یعنی نقصان یا دھوکہ ہو' باطل ہیں۔

میرے خیال میں بیع عربان کے ناجائز ہونے کی وجہ یہ ہے کہ اس میں ایسی شرط پائی جاتی ہے جس میں کراہت ہے۔ نیز اس میں ضرر پایا جاتا ہے۔ ظاہر ہے کہ اس بیع کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ مبیع کو کچھ دنوں کے لئے روکا جائے۔ خریدنے کا معاملہ مشتبہ ہوتا ہے۔ اور روکنے کا معاوضہ وہ رقم ہے جو متوقع خریدار نے پیشگی دے دی۔ میرے نزدیک معاملہ صاف صاف ہونا چاہئے اور خریدار کو یہ کہنا چاہیے کہ اگر تم مال کو روک سکتے ہو تو روکو۔ پابند ہونے کی صورت میں ہو سکتا ہے کہ بائع کو اپنا مال اچھی قیمت پر فروخت کرنے کا موقع

ملے لیکن وہ بیع عربان کے باعث اس فائدہ سے محروم رہے۔ اسی طرح مال روکنے کا معاوضہ اگرچہ ثمن بیع تو نہیں لیکن اس کا شائبہ تو ہے۔ بائع آخر کس چیز کا معاوضہ لے رہا ہے۔ ظاہر ہے صرف اسی چیز کا کہ اس نے مبیع کو روک رکھا ہے۔ لہٰذا اس بیع میں ضرر اور غرر دونوں پہلو پائے جاتے ہیں۔ اسی لئے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا ہو گا۔

یہی صورت جانور کرائے پر لینے میں ہے۔ آپ جانور لے لیتے ہیں پھر اسکو دوڑا پاتے ہیں یا نہیں۔ اس طرح آپ نے بائع کو پابند کر کے اس کو دوسرے مواقع سے فائدہ اٹھانے سے محروم کر دیا۔ اب آپ کی دی ہوئی حالات کی رقم اس کا کافی بدل ہوتی ہے یا نہیں ؟ یہ ایک مشتبہ معاملہ ہے۔ معاملہ کی یہ ساری شکل ضرر و غرر کے پہلوؤں کی حامل ہے۔ اس لیئے ایسے معاملہ سے پرہیز ہونا چاہئے۔

اس روایت کی سند میں عن مالک عن الثقۃ عندہ ' کے الفاظ بھی قابل غور ہیں۔ امام مالکؒ نے موطا میں جو روایات لی ہیں ان میں کثیر روایات کی سند میں عمن اثق بہ (اس شخص سے جس پر مجھے اعتماد ہے) یا عن الثقۃ عندنا (اس شخص سے جو ہمارے نزدیک قابل اعتماد ہے) کے الفاظ آتے ہیں۔ عام حالات میں اگر کوئی محدث سند کے کسی راوی کو چھپائے تو اس کی روایت مجروح قرار دی جاتی ہے لیکن امام مالک چونکہ بڑے عالی مقام محدث ہیں اس لئے ان کی یہ زیادتی برداشت کر لی جاتی ہے کہ وہ اپنے راوی کی شخصیت کا اظہار نہ کریں۔ پہلے تو میں بھی اس چیز کو نظر انداز کرتا رہا لیکن بعض روایات پڑھنے سے میرا اعتماد سخت مجروح ہوا۔

اکثر شارحین کی رائے یہ ہے کہ الثقۃ عندنا سے امام مالک کی مراد ابن شہاب زہری ہوتے ہیں جن کے بارے میں معلوم ہوتا ہے اسی زمانے میں دو رائیں پائی جاتی تھیں۔ بعض لوگ ان پر اعتماد کرتے تھے لیکن دوسرے ان کے بارے میں اچھی رائے نہیں رکھتے تھے ۔ امام مالک چونکہ جرح و تعدیل میں بھی اپنی رائے رکھتے ہیں اسی لئے بڑے طنطنے سے کہتے ہیں کہ میں ان پر اعتماد کرتا ہوں' دوسرا کوئی نہیں کرتا تو نہ کرے۔ ایک متنازعہ فیہ شخصیت کے حق میں اس طرح کا اصرار امام صاحب کی بڑی زیادتی ہے۔ زہری کا تشیع اور مرسل روایت کا ان کے ہاں انبار ان کو اس قابل نہیں چھوڑتا کہ امام صاحب ان کے حق میں دھونس سے کام لیں۔

ماجاء فی المملوک

حدثنی یحیی عن مالک عن نافع عن عبداللہ بن عمر ان عمر بن الخطاب قال من باع عبدا ولہ مال فمالہ للبائع الا ان یشترط المبتاع۔

غلام کے بارے میں حکم

ترجمہ :۔۔۔ عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ حضرت عمر بن خطابؓ نے فرمایا کہ جس شخص نے اپنا ایسا غلام بیچا جس کا اپنا مال بھی ہے تو وہ مال بائع کا ہو گا۔ الا آنکہ خریدنے والا شرط لگا دے کہ وہ مال میرا ہو گا۔

وضاحت: اس اثر سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ غلاموں کے پاس اپنا مال ہوتا تھا اور وہ اس کے مالک بھی ہوتے تھے۔ غلام کی فروخت کی صورت میں وہ مال مشتری کو اسی صورت میں مل سکتا تھا جب وہ اس کے متعلق شرط کر لیتا

احناف کہتے ہیں کہ غلام کسی چیز کا مالک نہیں ہوتا اور اس روایت میں مال کی ضمیر جو غلام کی طرف لوٹتی ہے تو وہ محض اختصاص کو ظاہر کرنے کیلئے ہے جس طرح کہہ دیا جائے گھوڑے کی زین' گھوڑے کی لگام۔ حقیقت میں گھوڑے کا تو کچھ بھی نہیں ہوتا صرف اس کی طرف نسبت ہوتی ہے۔ ہر چیز گھوڑے کے مالک کی ہوتی ہے۔ میرے نزدیک احناف کا یہ مسلک درست نہیں اور مال کی ضمیر غلام کی طرف حقیقی ہے' محض شاعرانہ نہیں ورنہ غلام کے پہننے کے اگر کپڑے ہو سکتے ہیں' اس کا جوتا ہو سکتا ہے' اس کی گھڑی ہو سکتی ہے' اس کی کوٹھڑی میں جو سامان ہے وہ اس کا ہو سکتا ہے تو مال کیوں نہیں ہو سکتا ہے۔ مالکیہ کا مذہب جو اس روایت سے ظاہر ہو رہا ہے میرے خیال میں درست ہے اور شوافع کا مذہب بھی یہی ہے۔ انہوں نے بہت سی مثالیں اس موقف کے حق میں دی ہیں جیسے کہ " ان عتق العبداو کاتب تبعہ مالہ وان افلس اخذ الغرباء مالہ ولم یتبع سیدہ بشئی من دینہ۔ "اگر غلام آزاد ہو جائے یا مکاتبت کر لے تو اس کا مال اس کے ساتھ جائے گا اور اگر مفلس ہو جائے تو اس کے قرض خواہ اس کا مال لے لیں گے اور غلام کا آقا اس کے قرضے کا ذمہ دار نہ ہو گا۔

ما جاء فی العہدۃ

حدثنی یحیی عن مالک عن عبداللہ بن ابی بکر بن محمد بن عمرو بن حزم ان ابان بن عثمان و ھشام بن اسمعیل کانا یذکران فی خطبتہما عہدۃ الرقیق فی الایام الثلثہ من حیث یشتری العبد اوالولیدۃ و عہدۃ السنہ۔ قال مالک ما اصاب العبدا والولیدۃ فی الایام الثلثہ من حین یشتریان حتی تنقضی الایام الثلثہ فھو من البائع وان عہدہ السنہ من الجنون والبرص والجذام فاذا مضت السنہ فقد بری البائع من العہدہ کلہا ومن باع عبدا او ولیدۃ من اھل المیراث او من غیر ھم بالبراءۃ فقد بری من کل عیب ولا عہدۃ علیہ الا ان یکوّن علم عیبا فکتمہ فان کان علم عیبا فکتمہ لم تنفعہ البراءۃ وکان ذالک البیع مردود اولا عہدۃ عندنا الا فی الرقیق۔

ترجمہ :۔۔۔ محمد بن عمرو بن حزم سے روایت ہے کہ ابان بن عثمان اور ھشام بن اسماعیل دونوں اپنے خطبات میں غلام کی گارنٹی کا ذکر کرتے تھے۔ تین دن اس دن سے جس دن سے غلام یا لونڈی خریدی جائے اور ایک سال کا بھی ذکر کرتے تھے۔ امام مالک کہتے ہیں کہ کسی غلام یا لونڈی کے تین دنوں کے ختم ہونے تک اگر بیماری لگ جائے تو وہ بائع کے ذمہ ہو گی اور سال کا معاملہ جو ہے تو وہ جنون' برص اور جذام سے متعلق ہے۔ جب سال گزر جائے تو بائع گارنٹی سے فارغ ہو گا۔ اور جس شخص نے غلام یا لونڈی بیچی جو میراث کی تھی یا کسی دوسرے کی تھی اس برات کے ساتھ کہ وہ تمام عیوب سے بری ہے تو اس پر کوئی ذمہ داری نہیں الا آنکہ اسکو عیب کا علم رہا ہو اور اس نے عیب کو چھپایا ہو۔ تو اگر اس کو عیب کا علم تھا جو اس نے چھپایا تو برات اسکو فائدہ نہ دے گی۔ ایسی بیع رد ہو گی اور ہمارے نزدیک غلام کے سوا کسی اور میں گارنٹی نہیں۔

وضاحت: جو چیز فروخت کے لئے پیش کی جائے اسکی گارنٹی تو ہونی چاہئے۔ جیسے کسی نے گائے یا بکری بیچی ہے تو خریدار کو کم از کم دو تین دن ملنے چاہئیں تاکہ معلوم ہو جائے کہ کتنا دودھ دیتی ہے۔ یا گھوڑا ہے تو معلوم ہو جائے کہ اصیل ہے یا اڑیل ہے کہ چلنے کا نام ہی نہیں لیتا۔ اس زمانے میں بجلی کے آلات مثلاً ریفریجریٹر' ٹی وی وغیرہ میں گارنٹی کا رواج عام ہو چکا ہے۔ عام استعمال کی اشیاء میں بھی کئی دکاندار اس بات کا موقع دیتے ہیں کہ خریدار ان کی چیز کو برت کر تسلی کر لے۔

غلاموں کے بارے میں تین دن کی گارنٹی اور ایک سال کی گارنٹی کا ذکر ابان بن عثمان اور ھشام بن اسماعیل اپنے خطبات میں کرتے تھے۔ اصل روایت میں یہ ابہام ہے کہ تین دن کونسے لونڈی یا غلام کے لئے ہوتے تھے اور ایک سال کن کے لئے۔ امام مالک نے آگے اپنی وضاحت سے اس ابہام کو دور کیا ہے۔ کہ اگر لونڈی اور غلام کو تین دن میں کوئی بیماری لگ جائے تو وہ بائع کے ذمہ ہو گی۔ یعنی بیع رد کی جا سکتی ہے اور جنون' برص اور جذام کی صورت میں ایک سال کی گارنٹی ہو گی۔ ایسی بیماری اگر ایک سال میں بھی لاحق ہو گئی تو بائع ذمہ دار ہو گا۔

اسی طرح امام مالک کا فتویٰ ہے کہ اگر کسی نے غلام یا لونڈی جو میراث میں سے تھی یا کسی اور طرح سے اس کے پاس آئی تھی وہ براءت کے ساتھ بیچی تو بائع پر اسکی ذمہ داری نہیں ہو گی۔ ہاں اگر غلام یا لونڈی میں عیب تھا جس کا بائع کو علم تھا تو براءت اسکو فائدہ نہیں دے گی۔ ایسی بیع رد ہو گی۔

احناف کہتے ہیں کہ صرف تین دن کی گارنٹی ہو گی' سال بھر کی نہیں۔ تین دن کے بعد رد کرنے کا حق نہیں ہو گا۔ اللہ کا شکر ہے کہ اب لونڈی اور غلاموں کا معاملہ ختم ہو چکا ہے۔ ان فتووں کی اب صرف تاریخی

حیثیت رہ گئی ہے۔

العیب فی الرقیق

حدثنی یحی عن مالک عن یحی بن سعید عن سالم بن عبد اللہ ان عبد اللہ بن عمر باع غلاما لہ بثمانمائۃ درھم و باعہ بالبراءۃ - فقال الذی ابتاعہ عبد اللہ بن عمر بالغلام داء لم تسمہ لی - فاختصما الی عثمان بن عفان فقال الرجل باعنی عبدا وبہ داء لم یسمہ و قال عبد اللہ بن عمر بعتہ بالبراءۃ - فقضی عثمان بن عفان علی عبد اللہ بن عمر ان یحلف لہ لقد باعہ العبد ومابہ داء یعلمہ - فابی عبد اللہ بن عمر ان یحلف وارتجع العبد فصح عندہ فباعہ عبد اللہ بن عمر بعد ذالک بالف وخمسمائہ درھم۔

غلام کے عیب کے بارے میں

ترجمہ:۔۔۔ سالم بن عبداللہ سے روایت ہے کہ عبداللہ بن عمرؓ نے ایک غلام آٹھ سو درھم میں بیچا اس کی تندرستی کی گارنٹی کے ساتھ خریدار نے آکر عبداللہ بن عمرؓ سے کہا کہ غلام میں ایک عیب ہے جس کا انہوں نے ذکر نہیں کیا تھا۔ دونوں مقدمہ عثمان بن عفانؓ کے پاس لے گئے۔ خریدنے والے کا بیان یہ تھا کہ عبداللہ بن عمرؓ نے غلام بیماری کی حالت میں بیچا لیکن اس بیماری کا ذکر نہیں کیا۔ عبداللہ بن عمرؓ کا بیان تھا کہ میں نے اس کو تندرستی کی حالت میں بیچا تھا۔ اس پر حضرت عثمان بن عفانؓ نے حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے کہا کہ آپ قسم کھائیے کہ آپ نے جس وقت غلام بیچا تھا تو اس وقت اسکو کوئی ایسی بیماری نہیں تھی جس کا آپ کو علم ہو۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے قسم کھانے سے انکار کردیا اور غلام واپس لے لیا۔ وہ ان کے پاس آکر ٹھیک ہوگیا تو عبداللہ بن عمرؓ نے اس کو پندرہ سو درھم میں بیچ دیا۔

وضاحت: روایت کا مفہوم واضح ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عثمانؓ نے بھی اس بات کو ملحوظ رکھا کہ خریدار کو اس بات کا موقع ملنا چاہئے کہ اگر غلام میں کوئی عیب ہے تو آگاہ ہونے پر وہ بائع کو بیع فسخ کرنے کے لئے کہے۔

ما یفعل بالولیدہ اذا بیعت والشرط فیھا

حدثنی یحی عن مالک عن ابن شھاب عن عبید اللہ بن عبد اللہ بن عتبہ بن

مسعود اخبرہ ان عبد اللہ بن مسعود ابتاع جاریۃ من امراتہ زینب الثقفیہ و اشترطت علیہ انک ان بعتھا فھی لی با لثمن الذی تبیعھابہ فسائل عبداللہ بن مسعود عن ذالک عمر بن الخطاب فقال عمر بن الخطاب لا تقربھا و فیھا شرط لاحد۔

اس لونڈی کے متعلق حکم جو شرط کے ساتھ بیچی جائے

ترجمہ:۔۔۔ حضرت عبداللہ بن مسعود نے ایک لونڈی اپنی بیوی حضرت زینب ثقفیہ سے خریدی تو انہوں نے شرط لگادی کہ اگر آپ اس کو کبھی بیچنے والے ہوں تو اسی قیمت پر جس پر خرید رہے ہیں مجھے بیچ دیں۔ حضرت عبداللہ بن مسعود نے حضرت عمر بن خطابؓ سے فتوئی پوچھا تو انہوں نے فرمایا کہ اس سے قربت نہ کرنا کیونکہ اس میں کسی کے لئے شرط ہے۔

اگر بیع میں یا نکاح میں کوئی شرط ایسی ہو جو مقصد بیع یا مقصد نکاح کے منافی ہو تو اس وجہ سے اس میں حرمت پیدا ہو جاتی ہے لیکن اس معاملہ میں کوئی ایسی شرط عائد نہیں کی گئی جو عبداللہ بن مسعود کو لونڈی ہبہ کرنے' آزاد کرنے یا مکاتبت کرنے سے روکتی ہو۔ لونڈی کی مالکہ نے صرف یہ کہا ہے کہ اگر اسے بیچنا ہو تو اسی قیمت پر ان کو واپس انہی کے پاس بیچ دیں۔ یہ شرط مقصد بیع کے خلاف نہیں۔ اس لئے یہ بات میری سمجھ میں نہیں آئی کہ اس میں لونڈی کی حرمت کی وجہ کیا ہے۔ البتہ حضرت عمرؓ کا فتوئی یہی ہے۔

حدثنی عن مالک عن نافع عن عبد اللہ بن عمر انہ کان یقول لا یطاء الرجل ولیدۃ الا ولیدۃ ان شاء باعھا وان شاء ھبھا و ان شاء امسکھا و ان شاء صنع بھا ما شاء

ترجمہ:۔۔۔ حضرت عبداللہ بن عمر کا فتوئی یہ ہے کہ آدمی لونڈی سے قربت نہیں کرسکتا مگر اس صورت میں جب کہ اس کو اختیار ہو کہ وہ چاہے تو اس کو بیچ دے' چاہے تو ہبہ کردے' چاہے تو روک رکھے اور اس سے جو معاملہ کرنا چاہے کرسکے۔

حضرت عبداللہ بن عمرؓ کا یہ فتوئی حضرت عمرؓ کے مذکورہ بالا فتوئی سے مختلف ہے اور میرے نزدیک صحیح ہے۔ مگر حضرت عمرؓ کے فتوئی کی علت سمجھ میں نہیں آئی۔ واپس بائع کو بیچنے کی شرط کسی طرح مکمل حق ملکیت کو متاثر نہیں کرتی کہ جس سے بیع فاسد ہوتی ہو۔

افادات فراہی

خالد مسعود

اعمال کی جزا و سزا کا تصور

آخرت میں اعمال کی جزا و سزا کا تعلق حکمت تخلیق کی تکمیل اور خدا کی صفت عدل و رحمت سے ہے۔ حکمت تخلیق کا تقاضا یہ ہے کہ ہر شے کو موقع دیا جائے کہ اس کے اندر تاثر کی جو قوت ہے وہ اس کو بروئے کار لائے اور جن اثرات کو وہ سمیٹے ہوئے ہے ظاہر کر دے۔ اللہ تعالیٰ نے جس شے کو بھی پیدا کیا ہے تو اس کو اس کے راز اور عنصر سے خالی کر کے پیدا نہیں کیا۔ اس کے اثرات چونکہ ایک تسلسل کے حامل ہوتے ہیں اس لئے یہ ایک ترتیب کے ساتھ ظاہر اور خدا کی حکمت کے مطابق ایک دوسرے پر مترتب ہوتے ہیں۔ آسمانوں اور زمین میں جو کچھ ہے اس کے اندر بھی کچھ اثرات ودیعت کئے ہوئے ہیں اور اللہ تعالیٰ ان کو نمایاں کرتا رہتا ہے۔ اسی مضمون کو قرآن مجید میں یوں بیان کیا گیا ہے۔

وھو الذی یخرج الخبء فی السموات والارض (النمل ۲۵)

وہی ہے جو آسمانوں اور زمین کی پوشیدہ چیزوں کو ظاہر کرتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کے ودیعت کردہ یہ اثرات چھپے نہیں رہ سکتے' ان کا منظر عام پر آنا لازمی ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ان کی حیثیت بالکل وہی ہے جو حاملہ کے پیٹ میں اس جنین کی ہوتی ہے جس کے وجود سے حاملہ بھاری ہو رہی ہوتی ہے۔ قرآن مجید نے بیان کیا ہے کہ اس کائنات کے وجود سے قیامت بھی اسی طرح نمودار ہو گی جس طرح حاملہ بچے کو جنم دیتی ہے۔ فرمایا ہے۔

ثقلت فی السموات والارض لا تاتیکم الا بغتۃ (الاعراف ۱۸۷)

آسمان و زمین اس (قیامت سے) بوجھل ہیں' وہ تم پر بس اچانک ہی آ دھمکے گی۔

دوسری جگہ ارشاد فرمایا

واخرجت الارض اثقالھا (الزلزال ۲)

اور زمین اپنا بوجھ باہر نکال پھینکے گی۔

ان بوجھوں سے مراد وہی اثرات ہیں جو کسی شے کے اندر مخفی ہوتے ہیں اور جن کا ذکر اوپر ہوا۔

ایمان بالغیب عقل پر مبنی ہے :

یاد رہے کہ انسان کے اندر عقل اس کے حواس سے اس اعتبار سے ممتاز ہے کہ عقل کے پیش نظر دائم اور باقی رہنے والا حق ہوتا ہے۔ نیز غائب اور حاضر دونوں طرح کے حقائق اس کے لئے یکساں اہمیت کے حامل ہوتے ہیں' جبکہ حواس کو صرف حاضر سے سروکار ہوتا ہے۔ عقل کی اصل فطرت اور اس کے وجود کا نقطہ کمال یہ ہے کہ وہ ہر چیز کو دیکھنے کے لئے صرف اپنی روشنی کام میں لائے اور حواس پر بھروسہ کر کے حاضر اور فانی چیزوں کو اس حق پر ترجیح نہ دے جو باقی رہنے والا ہے' اور نہ ہی حواس کی ملمع کاریوں کے باعث کسی دھوکہ میں مبتلا ہو۔

ایمان کا عقل پر مبنی ہونا ضروری ہے اور عقل بھی وہ جو حواس کی گرفت میں نہ آنے والے حقائق پر بھی یقین رکھتی ہو۔ جو شخص عذاب کا مشاہدہ کرنے کے بعد ایمان لاتا ہے تو چونکہ وہ حواس کی جہت سے ایمان لاتا ہے اس لئے عذاب کا خطرہ ٹلتے ہی وہ پھر کفر میں مبتلا ہو جاتا ہے۔ اسی لئے اس کا ایمان معتبر نہیں ہوتا ہے۔ ایمان بالغیب عقل کی تکمیل ہے۔ اس سے عقل اپنی تخلیق کا اتمام کرتی ہے اور یہی اس کی فطرت کا راز ہے۔

ایمان بالغیب اور تقویٰ :

غور کرنے سے معلوم ہو گا کہ نفس کی دو قوتیں ایسی ہیں جن سے وہ کمال کی طرف ارتقا کرتا ہے۔ یہ ہیں علم اور ارادہ۔ ان کا مرتبہ کیا ہے' اس سے آگاہ کرنے کے لئے قرآن مجید کی متعدد آیات میں روشنی ڈالی گئی ہے۔ مثلاً فرمایا

ھدی للمتقین الذین یومنون بالغیب ویقیمون الصلوۃ ومما رزقنھم ینفقون والذین یومنون بما انزل الیک وما انزل من قبلک وبالاخرۃ ھم یوقنون اولئک علی ھدی من ربھم واولئک ھم المفلحون۔ (بقرہ ۲۔۵)

یہ ہدایت ہے اہل تقویٰ کے لئے جو غیب میں رہتے ایمان لاتے ہیں' نماز کا اہتمام کرتے ہیں اور جو کچھ ہم نے ان کو بخشا ہے اس میں سے خرچ کرتے ہیں۔ اور ان کے لئے جو ایمان لاتے ہیں اس چیز پر جو تم پر اتاری گئی اور جو تم سے پہلے اتاری گئی ہے۔ اور آخرت پر یہی لوگ یقین رکھتے ہیں۔ یہی لوگ اپنے رب کی ہدایت پر ہیں اور یہی لوگ فلاح پانے والے ہیں۔

ان آیات سے معلوم ہوا کہ ایمان بالغیب عقل کی مضبوطی کا نام ہے جس کی مدد سے آدمی ظاہر سے

پوشیدہ پر استدلال کرتا اور پھر اس کا یقین حاصل کرتا ہے۔ تقویٰ ارادہ کی درستی اور قلب کی سلامتی کا نام ہے ارادہ عقل کی پیروی کرتا ہے۔ دل کے فساد سے عقل بھی فساد میں مبتلا ہو جاتی ہے۔ اس لئے ان آیات میں تقویٰ کی صفت کو دوسری چیزوں پر مقدم رکھا ہے کیونکہ ہدایت سے متعلق تمام امور کی شیرازہ بندی اسی سے ہوتی ہے۔ تقویٰ کی اصل یہ ہے کہ آدمی عدل اور حق کا علم رکھتا ہو' بدی کے انجام سے اندیشہ ناک رہتا ہو اور اس کے ارتکاب سے بچے۔ مخلوقات میں سب سے زیادہ شرف اس کو حاصل ہے جو ایمان بالغیب سے متصف عقل اور علم کا حامل ہو۔ انہی خصوصیات کی بدولت نیکی کا ارادہ ممکن ہوتا ہے اور علم اور ارادہ خیر ہی مقصد تخلیق ہیں' جیسا کہ فرمایا

خلق الموت و الحیوۃ لیبلو کم ایکم احسن عملا (الملک ۲)

اس نے پیدا کیا موت اور زندگی کو تاکہ تمہارا امتحان کرے کہ تم میں کون سب سے اچھے عمل والا بنتا ہے۔

اس تفصیل سے یہ بات معلوم ہوئی کہ انسان کے لئے یہ ضروری ہے کہ وہ اپنی عقل کو حواس کی اسیری سے بچنے اور دنیا کی لذات سے کنارہ کش ہونے کی تربیت دے تاکہ عقل اپنے مخصوص مشاہدات ہی پر اعتماد کرے اور اپنی فطری رغبتوں کی طرف رجوع کئے رکھے۔ اگر روز جزا قریب نظر آنے والا ہوتا تو یہ تربیت ممکن نہ تھی۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے نہ صرف قیامت کو مخفی رکھا بلکہ اس کا دن موت کے بعد مقرر کیا کیونکہ موت کے پردے کے پیچھے کے احوال کا علم حواس کے دائرہ کار سے باہر ہے۔

تصور آخرت قرآن کی روشنی میں:

جو کچھ ہم نے اوپر بیان کیا اس کو سورہ یونس کی چند آیات بخوبی واضح کرتی ہیں ۔ فرمایا

ان ربکم اللہ الذی خلق السموات والارض فی ستۃ ایام ثم استوی علی العرش یدبر الامر مامن شفیع الا من بعد اذنہ ذلکم اللہ ربکم فاعبدوہ افلا تذکرون ۝ الیہ مرجعکم جمیعا وعد اللہ حقا' انہ یبدء الخلق ثم یعیدہ لیجزی الذین امنوا و عملوا الصلحت بالقسط والذین کفرو الھم شراب من حمیم و عذاب الیم بما کانوا یکفرون (۳-۴)

بے شک تمہارا رب وہی اللہ ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو چھ ادوار میں پیدا کیا' پھر وہ معاملات کا انتظام سنبھالے عرش پر متمکن ہوا۔ اس کے ہاں اس کی اجازت کے بغیر کوئی سفارشی نہیں۔ یہی اللہ تمہارا رب ہے تو اسی کی بندگی کرو۔ کیا تم سوچتے نہیں ! اسی کی طرف تم سب کا لوٹنا ہے۔ یہ اللہ کا پکا وعدہ ہے۔ بے شک وہی خلق کا آغاز کرتا ہے' پھر وہی اس کا اعادہ کرے گا تاکہ جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک کام

کئے ان کو عدل کے ساتھ بدلہ دے اور جنہوں نے کفر کیا ان کے لئے ان کے کفر کی پاداش میں کھولتا پانی اور دردناک عذاب ہے۔

پہلی آیت میں یہ جو فرمایا ہے کہ اذن کے بغیر شفاعت کی قیامت میں کوئی گنجائش نہ ہوگی تو اس کی وجہ یہ ہے کہ ایسی شفاعت تربیت عقل اور عدل و قسط دونوں کے منافی ہے۔ دوسری آیت میں 'ثم یعیدہ' کے الفاظ کا مفہوم یہ ہے کہ عدل و انصاف کے مطابق جزا کے لئے یہ ضروری ہے کہ موت بھی ہو اور اس کے بعد نئی زندگی کا وجود بھی ہو۔ اس آیت میں نیکی کے اچھے بدلہ اور بدی کے برے انجام میں بھی فرق کیا گیا ہے۔ یہ نہیں فرمایا کہ لیجزی الذین کفروا (کہ خدا کافروں کو بدلہ دے) بلکہ فرمایا لیجزی الذین امنوا و عملوا الصلحت۔ اس سے یہ نتیجہ نکلا کہ اللہ تعالیٰ کے بنائے ہوئے اس نظام میں قیامت کا اصل مقصود اہل ایمان ہی کی جزا ہے' کافروں کو سزا دینا اصل مقصود نہیں۔

آگے کی آیات میں قرآن نے عقل کے اطمینان کے لئے دلائل سے یہ ثابت کیا ہے کہ تخلیق کی غایت حق ہے۔ فرمایا

ھو الذی جعل الشمس ضیاء والقمر نورا و قدرہ منازل لتعلمو اعدد السنین و الحساب ماخلق اللہ ذلک الا بالحق یفصل الایت لقوم یعلمون ۔ ان فی اختلاف الیل و النھار و ما خلق اللہ فی السموات و الارض لایت لقوم یتقون ۝ (۵-۶)

وہی ہے جس نے سورج کو تاباں اور چاند کو نور بنایا اور اس کے لئے منزلیں ٹھہرا دیں تاکہ تم سالوں کا شمار اور حساب معلوم کر سکو۔ اللہ نے یہ کارخانہ بے مقصد نہیں بنایا ہے۔ وہ اپنی نشانیوں کی وضاحت کرتا ہے ان لوگوں کے لئے جو جاننا چاہیں۔ بے شک رات اور دن کی آمد و شد اور آسمانوں اور زمین کی مخلوقات میں نشانیاں ہیں ان لوگوں کے لئے جو ڈریں۔

ان آیات کا مفہوم یہ ہے کہ سورج کی تابانی اور چاند کی روشنی' آسمان میں ان کی منزلیں اور ماہ و سال کے حساب میں ان کا استعمال ہونا عقل کو یہ تعلیم دیتا ہے کہ تخلیق ایک حکمت کے تحت ہوئی ہے۔ یہی تعلیم رات اور دن جیسی اضداد کے پے در پے نمودار ہونے اور کسی شے کے مسلسل آنے جانے سے ملتی ہے۔ دنیا میں مختلف انواع و اقسام کی مخلوقات کا وجود عقل کو اس حقیقت پر متنبہ کرنے کے لئے ہے کہ یہاں تمام امور ایک حکمت کے تحت طے پا رہے ہیں۔ ان مشاہدات سے آدمی کی آنکھ کھلتی ہے' وہ جزا و سزا کے انعقاد کو یقینی سمجھتا ہے' اللہ تعالیٰ سے ڈرنے لگتا ہے اور اعمال کے انجام کا خوف اس پر طاری ہو جاتا ہے اس کی نظیر سورہ آل عمران کی آیات ۱۹۰ تا ۱۹۱ میں بھی موجود ہے۔ آگے فرمایا۔

ان الذین لا یرجون لقاءنا و رضوا بالحیوۃ الدنیا و اطماءنوا بھا و الذین ھم عن ایتنا غفلون۔

ولئک ماواھم جھنم بما کانوا یکسبون ۔ (۷ ۔ ۸)

جو لوگ ہماری ملاقات کے متوقع نہیں ہیں اور اسی دنیا کی زندگی پر قانع اور مطمئن ہیں اور جو ہماری نشانیوں سے غافل ہیں 'انہی لوگوں کا ٹھکانا دوزخ ہے ان کے اعمال کی پاداش میں۔

یہاں عقل پر حواس کے غلبہ کا ذکر کیا ہے۔ جس شخص پر جہالت چھائی ہوئی ہو وہ رب کے سامنے پیشی کی امید نہیں رکھتا۔ وہ اپنی کم ہمتی کے باعث بلند مقاصد کو اختیار کرنے کے بجائے ادنٰی اور حقیر چیزوں پر قناعت کر لیتا ہے۔ اس کے اندر عدل کی حس ختم ہو جاتی ہے۔ جب وہ دنیا کی محسوس اشیاء سے پوری طرح دھوکہ کھا جاتا ہے تو وہ ان نشانیوں سے غافل ہو جاتا ہے جو اس کے گرد و پیش میں بکثرت موجود اور پیہم ظاہر ہو کر مخفی حقائق کو منکشف کرتی ہیں۔ وبما کانوا یکسبون ' کے الفاظ اعمال سے جو اثرات مترتب ہونے والے ہیں ان کو واضح کرنے کے لئے آئے ہیں تاکہ آدمی ان کے تعلق پر متوجہ ہو جائے۔

آگے فرمایا۔

ان الذین امنوا و عملو الصلحت یھدیھم ربھم با یمانھم تجری من تحتھم الانھار فی جنت النعیم ۔ دعوھم فیھا سبحنک اللھم و تحیتھم فیھا سلام واخر دعوھم ان الحمد للہ رب العلمین ۔ (۹ ۔ ۱۰)

جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک عمل کئے اللہ ان کے ایمان کی بدولت ان کو ان کی منزل پر پہنچائے گا 'ان کے نیچے نہریں بہہ رہی ہوں گی 'نعمت کے باغوں میں۔ اس میں ان کا ترانہ ہوگا۔ اے اللہ تو پاک ہے۔ اور اس میں ان کی آپس کی تحیت سلام ہوگی اور ان کا آخری کلمہ الحمد للہ رب العلمین (شکر ہے اللہ رب العالمین کے لئے) ہوگا۔

یہاں ہدایت کی نسبت اللہ تعالٰی کی طرف اس لئے بتائی ہے کہ لوگ اس فرق کو پہچانیں جس کا ہم نے اوپر ذکر کیا ہے۔ نیز یہ جانیں کہ ایمان ہدایت میں افزونی کرتا ہے یہاں تک کہ ایمان رکھنے والا جنت کا مستحق قرار پاتا ہے۔ قاری کو یہاں اس خلا کو خود بھرنا ہے جو ہدایت اور جنت کے درمیان موجود ہے۔

آخرت میں ' سبحانک اللھم ' کے الفاظ سے شکر و حمد کا اظہار اس لئے کیا جائے گا کہ اہل ایمان جس غیب پر ایمان لاتے رہے وہ حقیقت بن کر سامنے آگیا۔ تحیت سلام کا سبب یہ ہوگا کہ دنیا میں تو باطل نمایاں اور حق پوشیدہ تھا اب اللہ نے اہل ایمان کو اس آزمائش سے چھٹکارا نصیب کیا۔ الحمد للہ کا ترانہ نعمت کی تکمیل پر اس اعتراف کے طور پر ہوگا کہ یہ کامیابی جو ممکن ہوئی تو صرف خدا کے فضل اور اس کی رحمت کے باعث ممکن ہوئی۔

آیات کے مندرجہ بالا مجموعہ پر غور کریں تو معلوم ہوگا کہ ان میں ایک طرف تقوٰی 'اللہ کی ملاقات

بقیہ صفحہ ۷ پر

مقالات

خالد مسعود

مولانا فراہیؒ کی علمی خدمت

انیسویں صدی عیسوی کے وسط تک برصغیر ہندوستان میں انگریز کا اقتدار نہایت مستحکم ہو چکا تھا۔ مسلمانوں کے جذبہ حریت اور شوق سلطانی کو اس نے اپنے پنجہ استبداد سے بڑی کامیابی سے دبا دیا تھا۔ یہ عمل خالصتاً سیاسی نہ تھا بلکہ سیاسی کے ساتھ ساتھ عقلی بھی تھا۔ چنانچہ حکومت نے جو استعماری پالیسی اختیار کی اس کے تحت انہوں نے ایک طرف عیسائی مبلغین کو ہر قسم کی مراعات دیں کہ وہ ہندوستان کے لوگوں کو ان کے دین و مذہب سے برگشتہ کریں۔ چنانچہ وہ مسلمان علماء سے آئے دن مناظرے کرتے اور عقل کے نام پر ایسی باتیں پھیلاتے جن کے نتیجہ میں مخالفین کو ان کے دینی تصورات کے بارے میں شک و شبہ میں مبتلا کیا جا سکے اور ذہنی الجھاؤ پیدا کر کے انہیں اپنے ڈھب پر لایا جا سکے۔ دوسری طرف انہوں نے مغربی تہذیب و تمدن کو بطور ایک فائق تہذیب کے پیش کیا اور اس بات کی سعی کی کہ لوگ اس کو اختیار کریں۔ جو لوگ اس تہذیب و تمدن کے ساتھ سمجھوتہ کر لیتے ان کی مادی ترقیوں کا میدان وسیع تھا اور جو لوگ اس سے نفرت کرتے ان کو مرعوب کرنے کے مواقع پیدا کئے گئے تاکہ وہ اپنے موقف پر قائم رہنے کی جرات نہ کر سکیں۔ اس تہذیبی استیلاء کے لئے انگریزوں نے تعلیمی نظام کو ذریعہ بنایا۔ انہوں نے مسلمانوں میں رائج تعلیم کی جگہ مغربی علوم کی تعلیم کی سرپرستی کی تاکہ ہندوستان کے لوگوں کو مغربی افکار کے ساتھ وابستہ کر کے انہیں اپنے ورثہ علمی سے بیگانہ کر دیا جائے۔ ان اقدامات کا نتیجہ یہ ہوا کہ مسلمان جو پہلے ہی انحطاط پذیر تھے جدید فکر و فلسفہ سے بالکل مرعوب ہو گئے۔ ان کے ایک طبقے نے عافیت اسی میں سمجھی کہ وہ بہت ساری ان حقیقتوں کا سرے سے انکار کر دیں جن کو وہ اپنے باپ دادا یا مذہبی رہنماؤں سے سن کر اب تک مانتے آرہے تھے لیکن اب ان کو عقلی معیار پر ثابت کرنا ان کے بس میں نہ تھا۔ نتیجتاً وہ تشکیک و الحاد کی وادیوں میں کھو

گئے۔

مسلمانوں میں ایک ایسا طبقہ بھی پیدا ہو گیا جس نے اپنے دین کی اساسات کو جدید فکر و فلسفہ سے ہم آہنگ کرنے کے شوق میں اگر قرآن حکیم کو اپنا مزاحم سمجھا تو خود قرآن کے مفہوم ہی کو بدلنے کی کوشش کی تاکہ اس کی بنا پر لوگوں کے اندر جدید تصورات کے لئے مغائرت نہ رہ جائے۔ سرسید احمد خان کی تفسیر قرآن اسی ذہنیت کی غماز ہے جس سے متاثر ہو کر انکار سنت اور تفسیر بالرائے کا ایک مستقل مدرسہ فکر وجود میں آ گیا۔ انگریزی حکومت کے استیلاء کے اس دور میں مولانا حمید الدین فراہی نے آنکھیں کھولیں۔ اپنے طلب علم کے زمانہ میں انہیں مسلمان قائدین کے رجحانات سے واقف ہونے کا موقعہ ملا اور مسلم یونیورسٹی علی گڑھ میں داخلہ لے کر انہیں ان فتنوں سے روشناس ہونے کا موقعہ بھی میسر آ گیا جو نئی تعلیم میں پنہاں تھے۔ مولانا فراہی جیسا ذکی و فطین شخص اس صورت حال سے بے تعلق نہیں رہ سکتا تھا۔ چنانچہ یونیورسٹی کی تعلیم کے زمانہ ہی میں انہوں نے اپنے مستقبل کے لائحہ عمل پر غور و فکر شروع کر دیا۔

مولانا فراہی ان نابغہ لوگوں میں سے تھے جو خواہ کسی بھی میدان کو اپنا لیں وہ اس میں انتہائی بلندیوں کو چھوتے ہیں۔ زمانہ طالب علمی ہی میں ان کا علمی پایہ مسلم تھا۔ عربی اور فارسی کے علاوہ انگریزی ادب اور فلسفہ جدید میں بھی ان کی مہارت کا یہ عالم تھا ان کے یورپین پروفیسوں تک کو ان کی رائے کے آگے جھکنا پڑتا تھا۔ اس لئے اگر وہ ادبیات عالیہ' عمرانیات' سیاسیات یا منطق و فلسفہ میں سے کسی بھی مضمون کو اپنے لئے منتخب کر لیتے تو بلاشبہ اس کو زمین سے اٹھا کر ثریا تک پہنچا دیتے لیکن اس سے ان کی نیکی پسند طبیعت اور دین سے والہانہ تعلق خاطر کو تسکین نہ ہو سکتی۔ لہٰذا وقت کے دھارے کے بالکل برعکس انہوں نے مسلمانوں کی زبوں حالی کا بنظر غائر مطالعہ کیا اور ان کو نہ صرف پیش آمدہ مشکلات کے اصل سبب سے آگاہ کیا بلکہ ان کا ایک ایسا حل پیش کیا جو ان کو تمام فتنوں سے بچا کر لے جائے اور تشکیک کی تنگنائیوں سے نکال کر انہیں یقین و اذعان کی دولت سے مالا مال کرے۔

غور و فکر کے بعد مولانا فراہی اس نتیجہ تک پہنچے کہ مسلمانوں کی زبوں حالی دراصل قرآن مجید سے بعد کا نتیجہ ہے۔ جس دور میں مسلمانوں نے قرآن کو اپنایا اور اپنے اخلاق اور عمل کا انحصار اسی پر رکھا تو انفرادی اور اجتماعی طور پر وہ مستحکم رہے۔ جسد ملی کو کامل صحت رہی اور اسلام کا علم سرنگوں نہیں ہونے پایا۔ لیکن جونہی وہ اس کتاب سے مستغنی ہوئے انہوں نے نور و حکمت کے خزانے اپنے اوپر بند کر لئے' ان پر فساد غالب آ گیا' عقائد خراب ہو گئے' دل بگڑ گئے' بدعت اور ہوائے نفس کو در آنے کا موقعہ ملا۔ اس کے نتیجہ میں ملت کا نظام منتشر اور شریعت کا نظم پارہ پارہ ہو گیا۔ مسلمانوں نے عملاً قرآن مجید کو اپنی کامل رہنمائی کا ذریعہ نہ بنایا بلکہ اس کے صرف چند پہلوؤں ہی کو لائق اعتنا سمجھا اس لئے وہ سابقہ امتوں کی طرح کتاب اللہ

کا ایک حصہ بھلا بیٹھے۔ اس جرم کے قدرتی نتائج ان کے سامنے آ کر رہے۔ مولانا فراہی نے اس بگاڑ کی اصلاح کا طریقہ یہ بتایا کہ مسلمان مشرق و مغرب کی طرف رہنمائی کے لئے دیکھنے کے بجائے خدا کی غلامی پر مطمئن ہوں' عہد فطرت کو پورا کریں اور رضائے خداوندی کے حصول کے لئے خدا کی ہدایت ہی کو رہنما بنائیں۔ اس سعادت کو حاصل کرنے کا وسیلہ قرآن مجید سیکھنا اور سکھانا' اس پر خود عمل کرنا اور دوسروں کو اس کی ترغیب دینا ہے۔ مولانا فراہی کے نزدیک انسان کی ذہنی و قلبی صفات کی تکمیل کا یہ تقاضا ہے کہ قرآن مجید سے تعلق قائم کیا جائے۔ انسان کا قرآن سے یہ تعلق جس قدر زیادہ مضبوط ہو گا وہ اتنا ہی اچھا انسان ہو گا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن کو چونکہ خدا سے سیکھا اور امت کو اس کی تعلیم دی اس لئے حضورؐ بلا شک و شبہ سب سے بہتر انسان تھے۔ حضورؐ کے بعد لوگوں میں سب سے اچھے وہ ہیں جنہوں نے حضورؐ سے قرآن سیکھا اور آگے کی نسلوں تک اس کا علم پھیلایا۔ علیٰ ہذا القیاس فرق مراتب' اسباب و وسائل کی کثرت و قلت' خلوص نیت اور صفت استقلال کی کمی بیشی کے مطابق ان کے بعد آنے والے لوگوں کا درجہ ہے۔ چونکہ پروردگار کی تعلیم قبول کرنے اور اس کے بندوں تک اس کو پہنچانے سے بڑھ کر کوئی بھلائی نہیں ہو سکتی اس لئے قرآن ہی عبادت کی بنیاد' اس کا محور اور عبودیت کا مغز اور جوہر ہے۔ اس نقطہ نظر کے تحت مولانا نے اپنے لئے زندگی کا جو لائحہ عمل تجویز کیا اور جس کو اختیار بھی کیا وہ قرآن کو سمجھنا اور اس کے بعد اس کی تعلیم دوسروں تک پہنچانا تھا۔

جب سرسید احمد خان کی تفسیر سامنے آئی تو مولانا غور و فکر کے بعد اس نتیجہ تک پہنچے کہ علماء میں تفسیر قرآن کے رائج اصولوں کے ساتھ اس فکر و فلسفہ کا مقابلہ مشکل ہے جس سے مرعوب ہو کر سید صاحب نے اپنی تفسیر لکھی۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ قرآن مجید کو سمجھنے اور اس رہنمائی حاصل کرنے کے لئے ایسے اصول وضع کئے جائیں جو خود قرآن ہی سے ماخوذ اور فطری ہوں۔ متضاد روایتوں کے انبار میں سے حقیقت کو تلاش کرنا ہر شخص کے بس کی بات نہیں اور اگر لوگوں پر فہم قرآن کا صحیح نہج واضح نہ کیا گیا تو ایک سرسید ہی نہیں بلکہ ان کے طرز فکر کے حامل بیسیوں سرسید اور پیدا ہو جائیں گے جو اپنی لوٹ پٹانگ تاویلوں سے قرآن مجید کو ایک گورکھ دھندا بنا دیں گے۔ اس نتیجہ تک پہنچتے ہی مولانا فراہی نے اصول تفسیر پر کام کرنا شروع کیا۔ علی گڑھ کی تعلیم سے فارغ ہوتے ہی گو انہوں نے متعدد تعلیمی اداروں میں تدریس کی ذمہ داریاں ادا کیں اور رہین ستم ہائے روزگار رہے لیکن جس مقصد کو انہوں نے عزیز جانا اس کے خیال سے کبھی غافل نہیں رہے۔ اس کا ثبوت ان کے وہ رسائل ہیں جو قرآن مجید کے مختلف پہلوؤں پر ان کے قلم سے نکلے اور ان کی زندگی ہی میں بعض شائع بھی ہو گئے۔

جہاں تک دوسرے مقصد یعنی قرآن کی تعلیم کو پھیلانے کا تعلق ہے' مولانا فراہیؒ مدرسہ کی تعلیم و

تدریس کے اسلوب سے مطمئن نہ تھے۔ رائج الوقت نظام تعلیم میں ایک تو قرآن مجید کی تعلیم شامل نہ ہونے کے برابر تھی جبکہ فقہ و حدیث کے علاوہ منطق ' فلسفہ اور نہ جانے دوسرے کون کون سے مضامین کو بڑی تفصیل سے پڑھایا جاتا تھا۔ دوسرے اس میں تمام تر زور فقہ کی تعلیم اور اس کے اصول پر تھا۔ مولانا کے نزدیک دین کے اہم مقاصد اخلاق ' عقائد اور شرائع کی اصلاح ہیں اور قرآن مجید نے ان سب کی طرف رہنمائی دی ہے۔ یہ سب اجزا باہم دگر مل کر تزکیہ نفس کے مقصد کو حاصل کرتے ہیں۔ انہی تینوں کی بنا پر تین علوم پیدا ہوتے ہیں یعنی علم اخلاق ' علم کلام اور علم فقہ ' اگر مدارس میں علم فقہ کو اصل مان کر تعلیم دی جائے تو علم اخلاق اور علم کلام اس کے دائرہ سے نکل جاتے ہیں جس کے باعث قرآن کا مدعا سمجھنے اور دین سیکھنے کے مقصد کو بڑا نقصان پہنچتا ہے۔ ان وجوہ کی بنا پر مولانا اس بات کی ضرورت محسوس کرتے تھے کہ دین کی تعلیم کا طریق کار بدلا جائے اور اس میں قرآن کو اصل قرار دے کر حدیث ' فقہ ' اخلاقیات ' کلام وغیرہ کی تعلیم دی جائے۔

اس کا لازمی تقاضا یہ تھا کہ عربی پڑھانے کے بعد پہلے قرآن مجید پڑھایا جائے اور اس کی ہدایت کی روشنی میں باقی علوم پڑھائے جائیں۔ مولانا نے اپنے اس خیال کو عملی جامہ پہنانے کے لئے مدرستہ الاصلاح سرائے میر کا انتخاب کیا جہاں مروج نصاب کو چھوڑ کر قرآن مجید کی بنیاد پر دوسرے علوم پڑھانے کی طرح ڈالی۔ انہوں نے مدرسہ کا تخیل خود متعین کیا اور اس تخیل کے مطابق نصاب درس بنایا۔ مدرسین کو اپنے خیال سے متفق کیا اور ذہین طلبہ کو خصوصی اہتمام سے خود تعلیم دی جس میں قرآن مجید کے علاوہ جدید علوم کی تعلیم بھی شامل تھی۔ مقصد یہ تھا کہ یہ طلبا آگے چل کر کتاب الٰہی کے حامل اور اس ذہنی و فکری انقلاب کے علمبردار بنیں جو مولانا کے پیش نظر تھا۔ مولانا فراہی مدرسہ کی تعلیم میں جس طرح کی تبدیلی چاہتے تھے اور اس سے جن مقاصد کا حصول ان کے پیش نظر تھا ان کا اندازہ اس تحریر سے بخوبی لگایا جا سکتا ہے جو مولانا نے مدرستہ الاصلاح کا انتظام سنبھالتے وقت لکھی۔ انہوں نے لکھا:

"مدرستہ الاصلاح کا دعویٰ ہے کہ اس نے مذہبی تعلیم کی صراط مستقیم کو پالیا ہے۔ اس نے اسے اپنا مقصد اساسی قرار دیا ہے۔ وہ مقصد اساسی اور وہ صراط مستقیم کیا ہے ؟ وہی ہے جس پر آنحضرتؐ نے اپنی امت کو چھوڑا تھا اور جس کی آخری خطبہ میں وصیت فرمائی تھی کہ میں تمہارے لئے کتاب اللہ چھوڑے جاتا ہوں ' جب تک اسے مضبوط پکڑے رہوگے ہرگز گمراہ نہ ہوگے۔ مدرستہ الاصلاح کا دعویٰ ہے کہ مسلمانوں کے انحطاط و تنزل کا اصلی سبب یہی ہے کہ وہ قرآن مجید کی تعلیم کو آہستہ آہستہ کم کرتے گئے اور وہ علوم جو قرآن کے لئے آلہ اور وسیلہ ہو سکتے تھے ان کی تحصیل میں اس قدر مصروف ہو گئے کہ وہ خود مقصود بالذات بن گئے۔ یہاں تک کہ ہوتے ہوتے قرآن مجید کے درس و تدریس کے لئے انہوں نے بالکل جگہ نہ

چھوڑی اور اب یہ حالت ہو گئی ہے کہ محض تلاوت و حفظ الفاظ پر اکتفا کر لیا گیا اور ہم پر رسول خدا کی یہ شکایت منطبق ہونے لگی ۔(یارب ان قومی اتخذوا ھذا القرآن مھجورا) "اے میرے پروردگار ' میری قوم نے اس قرآن کو ایک چھوڑی ہوئی چیز سمجھ لیا ہے" لیکن اللہ تعالیٰ کی توفیق سے مدرستہ الاصلاح نے یہ راز پالیا اور قرآن مجید کو سرچشمہ ہدایت و ترقی تسلیم کر کے جملہ علوم کی تعلیم اس کی تعلیم کے ماتحت کر دی۔ وہ ادب ' فقہ ' حدیث ' تاریخ ' سیر ' منطق و حکمت کی تعلیم دیتا ہے لیکن اس طور پر کہ جس علم کی طرف قدم بڑھے قرآن کی روشنی میں اور جو دروازہ کھلے قرآن ہی کے اندر سے کھلے"۔

علم کی اصلاح کے اس نصب العین کی خاطر ' مولانا نے دارالعلوم حیدر آباد کا گراں بہا معاوضہ ' اعلیٰ اعزاز اور دنیاوی منصب چھوڑا اور سادگی ' قناعت اور گمنامی کے ساتھ اپنی عمر کا آخری حصہ مدرسہ کی خدمت میں گزار دیا۔

اہل علم سے یہ بات مخفی نہیں کہ قرآن مجید جہاں اپنے مدعا میں بالکل واضح کتاب ہے وہیں ایک صاحب فہم کے لئے اس میں اتنی مشکلات ہیں جن کے سامنے طالب کی ہمت جواب دے جاتی ہے۔ مولانا فراہی نے قرآن فہمی کے اصولوں پر اپنی تحقیق صرف کی اور اپنے نتائج فکر کو مدون بھی کرتے رہے۔ جس کے نتیجے میں مفردات القرآن ' اسالیب القرآن ' التکمیل فی اصول التاویل ' دلائل النظام اور **جمہرۃ البلاغتہ** پانچ کتابیں مرتب ہو گئیں۔ ان میں مولانا نے وہ اصول وضع کر دیئے ' جن کے مطابق غور کر کے قرآن کا ایک طالب علم کتاب اللہ کے جواہر ریزوں سے اپنا دامن بھر سکتا ہے اور اس عمل میں ہر قدم پر وہ خود قرآن ہی کو اپنا عنان گیر پاتا ہے۔ اسی کے سہارے اور اعتماد پر وہ فکر کی راہوں میں دور تک بڑھتا چلا جاتا ہے اور شک اسے دامن گیر نہیں ہوتا۔

مولانا فراہی اس کلیہ کو مانتے ہیں کہ فہم قرآن کی راہ کا پہلا قدم مفرد الفاظ کی صحیح معرفت ہے۔ اگر مفرد لفظ کے معانی سمجھنے میں غلطی ہو جائے تو غلط مفروضات قائم ہو جانے کی وجہ سے قرآن مجید سے وہ فلسفہ گھڑا جا سکتا ہے جو فی الحقیقت اس کی مراد نہیں ہوتی۔ چونکہ عربی الفاظ بسا اوقات کئی معنی اپنے اندر سمیٹے ہوئے ہوتے ہیں یا ان کے معانی بہت جامع ہوتے ہیں اس لئے ان کا مفہوم متعین کرنے میں بڑی مشکل پیش آسکتی ہے۔ قرآن مجید کی صحیح تاویل کا یہ تقاضا ہے کہ مفرد الفاظ کے معانی کے تمام پہلوؤں پر تحقیقی نظر ہو اور سیاق کلام کا خیال کر کے وہ معانی لئے جائیں جو موقع کلام میں صحیح بیٹھتے ہوں۔ کتاب مفردات القرآن الفاظ کی تحقیق کا راستہ کھولتی ہے۔

مفرد الفاظ جب جملوں میں استعمال ہوتے ہیں تو مفہوم کلام کا بہت کچھ انحصار ان الفاظ کے موقع و محل پر ہوتا ہے۔ ہر زبان کی طرح عربی کے اپنے الگ اسالیب بیان ہیں جن سے واقفیت نہ ہو تو قرآن کا بہت

سادہ عام نگاہوں سے او جھل ہو جاتا ہے۔ مولانا فراہی کی رائے میں اسالیب سے لاعلمی کے ساتھ قرآن کے معانی پر گرفت ممکن نہیں ہوتی۔ اس کے علاوہ خطاب میں چونکہ دل کے جذبات و احساسات کا اظہار بھی ہوتا ہے، رحمت، غضب، افسوس، سختی اور نرمی کا ہر جذبہ الفاظ کے در و بست سے ابل پڑتا ہے، اس لئے اسالیب سے ناواقفیت کے باعث ایک شخص کلام کا رخ اور اس کا مزاج بھی نہیں سمجھ سکتا۔ مولانا فراہی نے اسالیب کے اس اہم بیان کو اپنی کتاب اسالیب القرآن کا موضوع بنایا ہے۔

التکمیل فی اصول التاویل " مولانا فراہی کی وہ کتاب ہے جس میں انہوں نے تدبر قرآن کے اصول پیش کئے ہیں۔ ان کی رائے میں تاویل قرآن کا علم علماء نے حاصل تو کیا لیکن اس کا استعمال صرف فقہ کی خدمت تک محدود رکھا جس سے دین سیکھنے کے مقصد کو بڑا نقصان پہنچا۔ اس علم پر اس طرح کا کام نہ ہو سکا جو ایک مستقل فن کے لئے ہونا چاہئے تھا۔ پھر چونکہ اس کا استعمال ایک محدود دائرے میں ہوتا رہا اس لئے اس میں وہ احتیاط بھی نہ ہو سکی جو اصول دین کے لئے کی جاتی ہے۔ اصول تاویل مدون نہ ہونے کا یہ نتیجہ نکلا کہ ہر شخص نے اپنی سمجھ کے مطابق قرآن کا ایک مفہوم فرض کر لیا اور اس کے سوا ہر دوسرے مفہوم کو غلط قرار دے دیا۔ چنانچہ ایک ایک لفظ اور ایک ایک آیت پر اختلاف رائے پیدا ہو گیا اور امت کئی گروہوں میں بٹ گئی۔ اگر تاویل قرآن کے قواعد و ضوابط طے کر لئے جاتے تو فکر و رائے کا یہ انتشار نہ ہونے پاتا اور امت ایک وحدت ہوتی۔ مولانا فراہی نے تاویل قران کے جو اصول منضبط کئے ہیں ان میں سرفہرست کلام کا نظم و ربط ہے جو کلام کے صحیح سمت کو متعین کرنے والی واحد چیز ہے جس سے اہل بدعت و ضلالت کی کجرویوں کی اصلاح ہو سکتی ہے اور خدا کا کلام غلط تاویلوں اور تحریفوں سے محفوظ رہ سکتا ہے۔ جس طرح رنگ برنگ کے بکھرے ہوئے پھول وہ تاثر نہیں دیتے جو ایک خوبی سے گوندھے ہوئے ہار سے ملتا ہے یا متفرق اعضا کو الگ الگ دیکھ کر اس کامل انسان کا قیاس نہیں کیا جا سکتا جو ان اعضا کے جڑنے سے بنتا ہے اسی طرح قرآن مجید کی آیات کو باہم مربوط کر کے جب تک نہ پڑھا جائے وہ حکمت حاصل نہیں ہوتی جو اسے مربوط کلام کی حیثیت سے پڑھنے پر حاصل ہوتی ہے۔ مولانا کی تحقیق میں قرآن مجید کی ہر سورہ ایک وحدت ہے اور وہ کسی خاص مضمون کو ادا کرتی ہے۔ اس کی تمام آیات اس مرکزی مضمون ہی کے مختلف پہلوؤں کو اجاگر کرتی ہیں اسی نظم کلام کے علمی و عملی پہلوؤں کو مولانا نے اپنی تصنیف دلائل النظام میں واضح کیا ہے۔

قرآن مجید کے مطالعہ میں در پیش آنے والی بعض اور مشکلات کو حل کرنے کے لئے مولانا فراہی نے چند دوسری کتابیں بھی لکھیں جن میں اقسام القرآن سرفہرست ہے۔ اس کتاب میں انہوں نے قسم کی حقیقت اور اس کی مختلف قسموں پر اصولی بحث کرنے کے بعد قرآن مجید کی قسموں کا استدلالی پہلو واضح کیا ہے اور ایک ایسا قاعدہ مرتب کیا ہے جس سے قسموں پر مشتمل آیات کے ایک صحیح محمل تک رسائی حاصل

ہو سکے۔ قصوں اور تاریخی حوالوں پر غور کرنے کے لئے مولانا نے اپنا طریق کار اپنی تصنیف 'الرای الصحیح فی من ہو الذبیح' میں واضح کیا۔ اس کتاب میں استنباط مسائل کے دقیق قاعدے بیان ہوئے ہیں۔ قرآن کی فصاحت و بلاغت کو جانچنے کے لئے مولانا فراہی نے کتاب جمہرۃ البلاغۃ لکھی، جس میں مروجہ علم بلاغت کو یونانیوں سے ماخوذ ثابت کیا اور یہ دکھایا کہ عربی ادب اور خصوصاً قرآن حکیم کی خوبیوں کو جانچنے کے لئے یہ فن بلاغت کسی طرح کسوٹی کا کام نہیں دے سکتا۔ اس کے ساتھ ہی انہوں نے فصحائے عرب کے کلام سے بلاغت کے وہ اصول بھی متعین کر دیئے جو بلاغت قرآن کو پرکھنے کے لئے معیار کا کام دے سکتے ہیں۔

مولانا فراہی کا یہ کام صرف اصولی نوعیت کا تھا اور تدبر قرآن کے ان اصولوں کی تخریج کے وہ امام ہیں جو ان کتابوں میں زیر بحث آئے ہیں۔ آگے کا مرحلہ ان اصولوں سے عملاً استفادہ کا تھا۔ ان کے عملی پہلوؤں کو واضح کرنے کے لئے مولانا فراہی نے قرآن مجید کی متعدد سورتوں کی تفسیر لکھی جن میں سے آخری پاروں کی چودہ سورتوں کی تفسیر " مجموعہ تفاسیر فراہی " کے نام سے مطبوعہ شکل میں موجود ہے۔ ان سورتوں کے مطالعہ سے ایک قاری پر جو نمایاں اثرات پڑتے ہیں وہ یہ ہیں۔

ا۔ قرآن مجید کی ہر سورہ اول تا آخر بالکل مربوط ہے۔ اس لئے قرآن مجید پر یہ اعتراض کہ اس کی آیات بے ربط ہیں بالکل بے بنیاد ہے۔ تمام سورتیں نہ صرف اندرونی طور پر مربوط آیات پر مشتمل ہیں بلکہ اپنی سابق و لاحق سورتوں کے ساتھ مربوط بھی ہیں۔ مضمون کا ایک پہلو اگر کسی سورہ میں بیان ہوا ہے تو اس کا دوسرا پہلو دوسری ملحقہ سورہ میں ہے۔

ب۔ متعدد متواتر سورتیں کسی ایک ہی حقیقت کے مختلف پہلوؤں کو واضح کرتی ہیں اس لئے اگر مجموعی طور پر ان سب پر غور کیا جائے تو حکمت قران کے بعض ایسے پہلو نگاہ میں آتے ہیں جن کی طرف الگ الگ ان سورتوں کو پڑھنے سے ذہن منعطف نہیں ہوتا گویا قرآن میں سورتوں کے ہم مضمون مجموعوں کی تلاش بھی ایک ضروری کام ہے۔

ج۔ قرآن کے مطالعہ میں سہل انگاری نہایت مہلک ہے۔ قرآن مجید کا ایک ایک لفظ اہم اور داد تحقیق چاہتا ہے۔ ہر لفظ کے اندر معانی کا ایک دفتر پوشیدہ ہے اس لئے وہ شخص قرآن سے مستفید نہیں ہو سکتا جو آب رواں کی مانند آیات کے اندر سے گزر جانے کا عادی ہو۔

د۔ دین اسلام بڑا منظم دین ہے، اس کی تمام عبادات باہم متعلق اور کچھ مقاصد کی حامل ہیں۔ عبادات کا باہمی تعلق نظم قرآن پر تدبر سے واضح ہوتا ہے۔

مجموعہ تفاسیر فراہی کو پڑھ کر قرآن مجید پر غور و تدبر اور اس سے استنباط مطالب کا طریقہ سمجھ میں آتا

ہے۔ عقل دنگ رہ جاتی ہے کہ مصنف نے تدبر کے صحیح اصول اپنا کر حکمت دین کے کیسے کیسے جواہر ریزوں تک رسائی حاصل کی ہے۔

مولانا فراہی قرآن مجید کے مطالعہ و تدبر کی حد پر رک جانے کے قائل نہیں۔ ان کے نزدیک تدبر کا اصل فائدہ قرآن کی حکمت تک رسائی حاصل کرنے میں ہے۔ یہ رسائی اس وقت تک حاصل نہیں ہوتی جب تک ہر مسئلے کو پورے قرآن کی روشنی میں سمجھنے کی کوشش نہ کی جائے۔ قرآن مجید میں ایک ہی مسئلہ مختلف پہلوؤں سے مختلف سورتوں میں سامنے آتا ہے۔ اگر ان سب مقامات پر صحیح اصولوں کی روشنی میں غور کیا جائے تو قرآن مجید کی حکمت روشن ہو کر سامنے آتی ہے۔ اس حکمت قران کے بعض مباحث تو مولانا فراہی کی تفاسیر میں بھی آگئے ہیں لیکن اس کے علاوہ بھی انہوں نے کئی مستقل موضوعات پر قلم اٹھایا ہے۔

مولانا نے دین کے بنیادی عقائد پر اپنی کتاب القائد الی عیون العقائد میں قرآن کا فلسفہ بیان کیا ہے۔ اس کتاب میں ذات و صفات باری تعالیٰ 'انسان کی غایت تخلیق ' دنیا میں خیرو شر کا وجود 'ہدایت و ضلالت کے بارے میں سنت اللہ اور مسئلہ جبرو اختیار جیسے اہم مسائل زیر بحث آئے ہیں اور علم کلام کو جن اصولوں پر مرتب ہونا چاہئے ان کی طرف رہنمائی دی گئی ہے۔

دنیا میں مصائب و تکالیف کے نزول اور قوموں کے عروج و زوال کے بارے میں حکمت قران کو جمع کر کے مولانا نے ایک کتاب 'ملکوت اللہ ' تصنیف کی ہے۔ انہوں نے یہ دکھایا ہے کہ قوموں کی شکست و ریخت کا سبب خدا کی صفت رحمت و عدل کا ظہور ہے۔ اسی ذیل میں مولانا فراہی نے اس کتاب میں اسلامی اصول سیاست اور منصب خلافت پر بھی بحث کی ہے اور خلیفہ اور اولو الامر کے اوصاف اور فرائض و حقوق پر روشنی ڈالی ہے 'نیز یہ بتایا ہے کہ سلب خلافت کی وجوہات کیا ہوتی ہیں۔

مولانا فراہی کی ایک اہم کتاب 'الرائع فی اصول الشرائع ' ہے۔ اس میں انہوں نے شریعت کے احکام کی درجہ بندی اور ان کے مقاصد متعین کئے ہیں۔ احکام کی حکمتوں کو واضح کرنے کے لئے نماز' روزہ اور جہاد کے احکام پر سیر حاصل گفتگو کی ہے۔

مولانا فراہی حکمت قرآن پر اس تحقیق کے ذریعہ سے یہ چاہتے تھے کہ تمام دینی علوم کو قرآن مجید کی بنیاد پر مرتب کرنے کی کوشش کی جائے اور اس ضمن میں جن بنیادی اصولوں کی ضرورت ہے ان کو قائم کر دیا جائے تاکہ مسلمانوں کا کوئی علم قرآن مجید سے بیگانہ نہ ہو بلکہ اسی کی ہدایت کی روشنی میں ہو۔ مولانا کے اسی عزم کی آئینہ دار وہ کاوشیں ہیں جو انہوں نے اپنی تصنیف حجج القرآن میں کی ہیں۔ اس کتاب میں مولانا نے منطق اور فلسفہ قدیم و جدید کی خامیوں سے بحث کی ہے اور اس کے بالمقابل قرآن مجید سے ماخوذ فلسفہ

بقیہ صفحہ ۴۸ پر

مراسلہ و مذاکرہ

امین احسن اصلاحی

لغو سے احتراز

سوال۔ قرآن مجید میں مسلمانوں کو لغو کاموں سے پرہیز کا حکم دیا گیا ہے۔ لغو سے کون سی چیزیں مراد ہیں؟

جواب۔ معنی کے لحاظ سے لغو کے معنی ہیں بے کار چیز' آپ اس کی باقاعدہ تعریف کرنا چاہیں تو کہہ سکتے ہیں کہ ہر وہ چیز لغو ہے جو کسی مقصد کے منافی ہو۔ ایک مومن کے لئے ہر وہ کام لغو ہو گا جو دین کے مقاصد کے منافی ہو۔ لغو چھوٹا بھی ہو سکتا ہے اور بڑا بھی۔ اسی لئے شریعت میں بعض چیزیں حرام ٹھہرائی گئی ہیں اور بعض مکروہ اور بعض صرف وقار اور آداب کے منافی ہیں۔ اگر مقصد کے منافی کوئی کھیل ہے تو وہ بھی لغو ہے 'گانا بجانا بھی لغو ہے 'کسی بے مقصد ناول کا پڑھنا بھی لغو ہے اور ہر وہ چیز لغو ہے جو دین کے مقاصد سے دور لے جاتی ہے۔ مجموعی طور پر زندگی کا وہ ڈھب جس میں آوارگی' لچ پن' لفنگا پن' بے تکی باتیں اور بے مقصد مجالس پائی جائیں لغو ہے۔ اور یہ اللہ کے بندوں کے مزاج کے شایان شان نہیں۔

قرآن مجید میں لغو سے احتراز مومنین کی ایک خاص صفت بیان ہوئی ہے۔ سورہ مومنون کی ابتدائی آیات میں اہل ایمان کی پہلی صفت نماز میں خشوع اور فروتنی بیان ہوئی ہے اور اس کے بعد لغو سے اجتناب کا حوالہ دیا ہے۔ جس کا واضح منشا یہ بتانا ہے کہ جب آپ نماز پڑھتے ہیں' خدا کے آگے سربسجود ہوتے ہیں' اس کا تقرب حاصل کرنے کی تگ و دو کرتے ہیں تو پھر زندگی میں آپ کی ہر روش اس عالی مقامی کے مناسب ہونی چاہئے۔ یہ نہیں ہو سکتا کہ ابھی تو آپ خدا کے دربار میں بیٹھے تھے جو سب سے اعلیٰ مقام اور سب سے اعلیٰ صحبت ہے اور ابھی آپ جا کر ڈوموں اور ناچنے گانے والوں کے ساتھ بیٹھ جائیں۔

آپ جانتے ہیں کہ دنیا کے نہایت ہی بے مصرف قسم کے بادشاہوں کے ہاں بھی آداب کا بڑا لحاظ ہوتا ہے۔ ان کے درباری اپنی حیثیت کو جانتے ہوئے کوئی ایسا کام نہیں کرتے جو دربار کے وقار کے خلاف ہو۔ اہل ایمان نماز کا اہتمام کرنے والے ہوتے ہیں۔ ان کی حیثیت خدا کے درباری کی ہوتی ہے۔ لہٰذا ان کے لئے یہ ضروری ہے کہ وہ عام زندگی میں بھی کوئی کام وقار کے خلاف نہ کریں۔ ان کے لئے صرف حرام یا مکروہ سے بچنا ہی کافی نہیں ہوتا۔ یہی وجہ ہے کہ اسلامی نقطہ نظر سے جو لوگ مہذب اور شائستہ ہوتے ہیں ان کی ہر ادا میں وقار ملحوظ ہوتا ہے۔ اٹھنے میں' بات کرنے میں' وہ نہایت با وقار ہوتے ہیں۔ وہ نہ اپنی زبان کو چھوٹ دیتے

ہیں، نہ اپنی نگاہ کو آوارہ ہونے دیتے ہیں۔ نہ ہاتھ پاؤں کو آزاد چھوڑتے ہیں اور نہ یہ ہوتا ہے کہ لغویات بکنے پر آگئے تو ان کے انبار لگا دیے۔ لغو سے احتراز والی زندگی اسی طرح باوقار ہوتی ہے۔

نماز میں خشوع کی صفت کے عین بعد لغو سے اعراض کی صفت بیان کرنے سے یہ واضح کرنا مقصود ہے کہ نماز کا صحیح فائدہ اٹھانے کے لئے اس بات کا اہتمام نہایت ضروری ہے کہ آدمی لغویات سے اجتناب کرے ورنہ نماز اپنی تاثیر کھو بیٹھے گی۔ اس کی مثال ایسی ہے جیسے آپ حکیم کے نسخہ کے مطابق دوا تو کھاتے ہیں لیکن اس کے بعد پیٹ بھر کے بدپرہیزی بھی کر ڈالتے ہیں۔ ظاہر ہے اس طرح علاج کا کچھ فائدہ نہیں ہوتا۔ نماز کے ذریعے اپنی اصلاح کی جو سعی آپ کرتے ہیں 'لغو کاموں میں پڑ کر اس کے اثر کو پھر ضائع کر دیتے ہیں۔ ہر مومن کی زندگی میں اس بات کی نمود ہونا ضروری ہے کہ وہ خدا کا درباری اور اس کا خاص بندہ ہے اور وہ دربار کے وقار کے منافی کوئی کام اختیار نہیں کر سکتا ہے۔

بقیہ : مولانا فراہیؒ کی علمی خدمت

کے اصول بیان کر کے ان کی عقلی قدر و قیمت واضح کی ہے۔ اسی طرح اصول فقہ کی طرف ایک نیا قدم ان کی تصنیف احکام الاصول باحکام الرسول میں نظر آتا ہے۔ اس کتاب میں مولانا فراہی نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات اور ہدایات کو قرآن مجید سے مستنبط ثابت کیا ہے۔ قرآن مجید کی حکمت پر مولانا نے ایک مستقل کتاب حکمتہ القرآن کے نام سے لکھی ہے۔

مذکورہ تفصیل سے ہر شخص یہ اندازہ کر سکتا ہے کہ مولانا فراہی نے اس دور میں قرآن کے فہم کی ایک نہایت قابل اعتماد اور بے خطر راہ کھولی ہے۔ وہ چاہتے تھے کہ لوگ اس سرچشمہ فیض سے سیراب ہوں اور کتاب الٰہی کی حکمتوں کے خزانوں سے اپنے دامن بھریں۔ اس عمل میں مولانا کے پیش نظر یہ بات تھی کہ قرآن حکیم کو مرکز بنا کر تمام اسلامی علوم کو از سر نو مرتب کر دیا جائے تاکہ آدمی پر جو دروازہ بھی کھلے وہ قرآن کی رو سے کھلے اور وہ جس راہ پر بھی چلے قرآن کی روشنی اس کی رہنمائی کرے۔ مولانا کے نزدیک یہی راستہ مسلمانوں کے علم کی درستی کا تھا اور اسی کے نتیجے میں ایک صحیح قسم کا فکری انقلاب برپا ہونے کی توقع تھی۔ اگرچہ مولانا کی زندگی نے اتنی وفا نہ کی کہ وہ یہ سارے کام از سر نو خود انجام دے سکتے لیکن انہوں نے اس بارے میں واضح اشارات چھوڑے ہیں اور کام کا خاکہ تک ترتیب دے دیا ہے۔ اب یہ ان کے بعد آنے والوں کا کام ہے کہ وہ ان کے فکر کو نہ صرف زندہ رکھیں بلکہ ترقی دے کر دنیا میں علم صحیح کے علمبردار بنیں۔ اس کے نتیجے میں یہ توقع کی جا سکتی ہے کہ زمانہ اسلام کی حقانیت اور برتری کا قائل ہو سکے اور مسلمان اپنا کھویا ہوا وقار پھر حاصل کر لیں۔

تالیفات امام حمیدالدین فراہیؒ

کتاب	روپے — پیسے
۱۔ مجموعہ تفاسیر فراہی	— ۰۰
۲۔ اقسام القرآن	۸ — ۰۰
۳۔ ذبیح کون ہے	۸ — ۰۰

تالیفات مولانا امین احسن اصلاحی

کتاب	روپے — پیسے
۱۔ تدبر قرآن : (مکمل سیٹ : ۹ جلد)	۱۱۲۵ — ۰۰
: فی جلد	۱۲۵ — ۰۰
۲۔ مبادئ تدبر قرآن	۳۶ — ۰۰
۳۔ اسلامی قانون کی تدوین	۰۰ — ۰۰
۴۔ اسلامی ریاست	۰۰ — ۰۰
۵۔ اسلامی ریاست میں فقہی اختلافات کا حل	۱۶ — ۰۰
۶۔ قرآن میں پردے کے احکام	۴ — ۰۰
۷۔ تنقیدات	۱۸ — ۰۰
۸۔ توضیحات	۲۱ — ۰۰
۹۔ تزکیۂ نفس : جلد اول	۵۰ — ۰۰
: جلد دوم	۳۶ — ۰۰
۱۰۔ مبادئ تدبر حدیث	۳۶ — ۰۰
۱۱۔ دعوت دین اور اس کا طریق کار	۴۰ — ۰۰
۱۲۔ اسلامی معاشرہ میں عورت کا مقام	۴۰ — ۰۰
۱۳۔ حقیقت شرک و توحید	۵۶ — ۰۰
۱۴۔ حقیقت نماز	۲۴ — ۰۰
۱۵۔ حقیقت تقویٰ	۲۴ — ۰۰

فاران فاؤنڈیشن

۱۲۲۔ فیروزپور روڈ، اچھرہ، لاہور — ۵۴۶۰۰ — پاکستان۔ فون : ۷۷ ۲۸۳۴